رسائل
حبیب الامت

جلد اول

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

نام کتاب : رسائل حبیب (جلد اول)

مصنف : حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صفحات : ۳۳۶

طبع سوم : ۲۰۲۳ء

قیمت : ۲۵۰

ناشر : مکتبۃ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ملنے کے پتے:

۱- مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی

۲- مکتبہ طیبہ دیوبند

بسم الله الرحمن الرحيم

حیات حبیب الامت

حیات حبیب الامت

حیات حبیب الامت

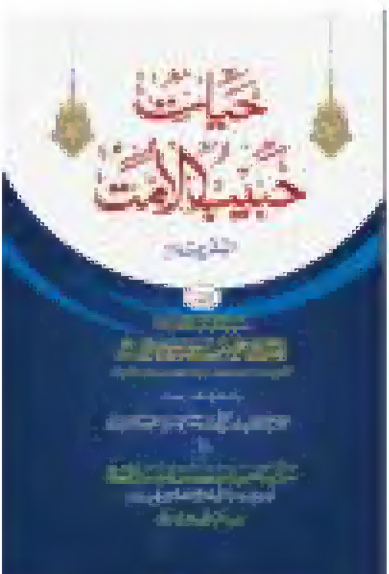
حیات حبیب الامت

فہرست

صفحہ	عناوین	نمبر شمار
۳۹	پیش لفظ	☆
۴۵	**مبادیات حدیث** (مقدمہ ترمذی شریف)	
۴۷	پیش لفظ	۱
۴۹	عرض حبیب	۲
۵۳	مقدمۃ العلم	۳
۵۴	علم حدیث کی تعریف	۴
۵۴	تعریف میں اختلاف کی وجہ	۵
۵۵	انواع علم حدیث کا تذکرہ	٦
۵۵	حافظ ابن حجر کی ذکر کردہ تعریف	۷
۵٦	علامہ عینی کی ذکر کردہ تعریف	۸

۹	علامہ عینی کی ذکر کردہ تعریف پر اعتراض	۵۷
۱۰	اعتراض کا پہلا جواب	۵۷
۱۱	اعتراض کا دوسرا جواب	۵۷
۱۲	علم حدیث کی تیسری تعریف	۵۸
۱۳	اس تعریف پر اعتراض	۵۸
۱۴	علم حدیث کی چوتھی تعریف	۵۸
۱۵	چوتھی تعریف پر اعتراض	۵۸
۱۶	علم حدیث کی پانچویں تعریف	۵۹
۱۷	علامہ کرمانی کی ذکر کردہ تعریف	۵۹
۱۸	شیخ عزالدین اور علامہ زرقانی کی ذکر کردہ تعریف	۵۹
۱۹	علامہ سیوطی کا میلان	۶۰
۲۰	اس تعریف پر اعتراض	۶۰
۲۱	حضرت شیخ کی پسندیدہ تعریف	۶۱
۲۲	حضرت شیخ کی زیادہ پسندیدہ تعریف	۶۱
۲۳	(۲) موضوع	۶۱
۲۴	علامہ کرمانی کا ذکر کردہ موضوع	۶۲

۲۵	علامہ کافیجی کا اظہار تعجب	۶۲
۲۶	حضرت شیخ اور صاحب تحفہ کا جواب	۶۲
۲۷	موضوع کے بارہ میں دوسرا قول	۶۳
۲۸	(۳) غرض وغایت	۶۳
۲۹	غرض وغایت دعاؤں کی تحصیل ہے	۶۳
۳۰	اے اللہ ہمارے خلفاء پر رحم فرما	۶۴
۳۱	شادابی کی دعاء	۶۴
۳۲	اس حدیث پر اشکال	۶۵
۳۳	اشکال کا جواب	۶۵
۳۴	غرض وغایت توضیح قرآن ہے	۶۶
۳۵	شیخ عبدالوہاب شعرانی کا ارشاد	۶۷
۳۶	غرض وغایت الفوز بسعادۃ الدارین ہے	۶۷
۳۷	غرض وغایت شان صحابیت کا پیدا ہونا ہے	۶۷
۳۸	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ارشاد	۶۸
۳۹	غرض وغایت حضور کی اتباع کی کیفیت جاننا ہے	۶۹
۴۰	حضرت شیخ کی رائے	۶۹

۴۱	ایک بزرگ کا واقعہ	۷۰
۴۲	ایک دوسرا واقعہ	۷۰
۴۳	خادم کی رائے	۷۱
۴۴	حضرت شیخ کا ارشاد	۷۱
۴۵	(۴) وجہ تسمیہ	۷۲
۴۶	حافظ ابن حجر کی رائے	۷۲
۴۷	کلام کی دو قسمیں ہیں	۷۲
۴۸	خلاصۂ کلام	۷۳
۴۹	ایک اشکال اور اس کا جواب	۷۳
۵۰	امام بخاری کا ملفوظ	۷۳
۵۱	علامہ سیوطی کی رائے	۷۴
۵۲	علامہ شبیر احمد عثمانی کی رائے	۷۴
۵۳	(۵) استمداد	۷۶
۵۴	استمداد کا مطلب	۷۶
۵۵	علامہ سیوطی کی رائے	۷۶
۵۶	حضرت مولانا محمد اعلی صاحب تھانوی کی رائے	۷۶

۵۷	(۶) حکم شارع	۷۷
۵۸	حکم شارع کا مطلب	۷۷
۵۹	حضرات علماء کی رائے	۷۷
۶۰	حضرت سفیان ثوری کا ارشاد	۷۸
۶۱	(۷) فضیلت	۷۸
۶۲	فضیلت سے متعلق پہلی حدیث	۷۸
۶۳	دوسری حدیث	۷۹
۶۴	تیسری حدیث	۷۹
۶۵	ابن حبان کا ارشاد	۸۰
۶۶	ابونعیم اصفہانی کی رائے	۸۰
۶۷	ابن عساکر کا ارشاد	۸۰
۶۸	حضرت سفیان ثوری کا ارشاد	۸۱
۶۹	(۸) مرتبہ ونسبت	۸۱
۷۰	شرافت کے اعتبار سے علم حدیث دوسرے نمبر پر ہے	۸۱
۷۱	دوسرے نمبر پر ہونے کی دوسری وجہ	۸۲
۷۲	(۹) واضع	۸۲

۷۳	مؤلف کی دو قسمیں ہیں	۸۳
۷۴	مدون اول ابن شہاب زہری ہیں	۸۳
۷۵	حافظ ابن حجر کی رائے	۸۴
۷۶	علامہ سیوطی کی رائے	۸۴
۷۷	حضرت امام مالک کی رائے	۸۵
۷۸	دوسرا قول مدون اول ابوبکر بن حزم ہیں	۸۵
۷۹	امام بخاری کی رائے	۸۵
۸۰	ابوبکر بن حزم کے بارہ میں امام مالک کا ارشاد	۸۶
۸۱	حضرت شیخ کی رائے	۸۶
۸۲	مدون اول میں اختلاف کی تطبیق	۸۶
۸۳	دوسری تطبیق	۸۷
۸۴	ایک سوال اور اس کا جواب	۸۸
۸۵	مسئلہ کتابت حدیث	۸۹
۸۶	مانعین کتابت حدیث کی دلیل	۹۰
۸۷	مجوزین کتابت حدیث کے دلائل	۹۰
۸۸	دلیل نمبر (۱) حدیث ابی ہریرہ	۹۰

۸۹	حدیث عبداللہ بن عمر بن العاص	۹۱
۹۰	دلیل نمبر (۲) واقعہ حجۃ الوداع	۹۱
۹۱	دلیل نمبر (۳) احادیث مسند دارمی	۹۲
۹۲	دلیل نمبر (۴) حدیث علی	۹۲
۹۳	دلیل نمبر (۵) حدیث عبداللہ ابن عباس	۹۲
۹۴	دلیل نمبر (۶) عمل سمرہ بن جندب	۹۳
۹۵	علامہ سیوطی کی رائے	۹۴
۹۶	علامہ بلقینی کی رائے	۹۴
۹۷	اب بالاجماع کتابت حدیث جائز ہے	۹۵
۹۸	**طبقات مدونین حدیث:**	۹۶
۹۹	پہلا طبقہ	۹۶
۱۰۰	دوسرا طبقہ	۹۶
۱۰۱	تیسرا طبقہ	۹۷
۱۰۲	پھر روایات مرفوعہ کو آثار سے الگ کرنے کا زمانہ آیا	۹۷
۱۰۳	اس کے بعد صحاح کو حسان سے الگ کیا گیا	۹۸
۱۰۴	علامہ سیوطی کے اشعار اور تطبیق	۹۸

۱۰۵	حافظ ابن حجر کی رائے	۹۹
۱۰۶	الفیہ کا تعارف	۱۰۰
۱۰۷	حضرت ابوسعید خدری کی حدیث کے جوابات	۱۰۰
۱۰۸	ابن قتیبہ کی رائے	۱۰۱
۱۰۹	دوسرا جواب	۱۰۱
۱۱۰	تیسرا جواب	۱۰۲
۱۱۱	چوتھا جواب	۱۰۲
۱۱۲	پانچواں جواب	۱۰۳
۱۱۳	حضرت شیخ کی رائے	۱۰۳
۱۱۴	ساتواں جواب	۱۰۴
۱۱۵	(۱۰) تقسیم وتبویب	۱۰۴
۱۱۶	ابواب ثمانیہ پر جو کتاب مشتمل ہو اس کو جامع کہتے ہیں	۱۰۴
۱۱۷	مسند کس کو کہتے ہیں؟	۱۰۵
۱۱۸	علم حدیث کی اجناس	۱۰۵
۱۱۹	**مقدمة الكتاب:**	۱۰۷
۱۲۰	(۱) انواع کتب حدیث	۱۰۷

۱۲۱	حضرت گنگوہی کا معمول	۱۰۸
۱۲۲	حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے چھ قسمیں بیان کی ہیں	۱۰۸
۱۲۳	حضرت شیخ کا ارشاد	۱۰۸
۱۲۴	جامع کا تعارف	۱۰۹
۱۲۵	بخاری بالاتفاق جامع ہے:	۱۱۰
۱۲۶	مسلم جامع ہے یا نہیں؟	۱۱۱
۱۲۷	حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی رائے	۱۱۱
۱۲۸	ملا کاتب چلپی کی رائے	۱۱۱
۱۲۹	مسلم کے جامع نہ ہونے کی وجہ	۱۱۱
۱۳۰	ترمذی شریف جامع ہے یا نہیں؟	۱۱۲
۱۳۱	دیگر جامع کا تذکرہ	۱۱۲
۱۳۲	سنن کا تعارف	۱۱۳
۱۳۳	سنن سے موسوم دیگر کتابیں	۱۱۴
۱۳۴	مسند کا تعارف	۱۱۴
۱۳۵	مسند کے چار طریقے	۱۱۴
۱۳۶	پہلا طریقہ	۱۱۵

۱۳۷	دوسرا اسلوب	۱۱۵
۱۳۸	تیسرا انداز	۱۱۵
۱۳۹	چوتھی ترتیب	۱۱۶
۱۴۰	مسند کے ساتھ موسوم کتابیں	۱۱۶
۱۴۱	معجم کا تعارف	۱۱۷
۱۴۲	حضرت شیخ کی رائے	۱۱۷
۱۴۳	معجم کے ساتھ موسوم کتابوں کا تذکرہ	۱۱۷
۱۴۴	علامہ طبرانی کی معاجم کے بارے میں اختلاف آراء	۱۱۸
۱۴۵	اطراف کا تعارف	۱۱۸
۱۴۶	علل کا تعارف	۱۱۹
۱۴۷	مستدرک کا تعارف	۱۲۰
۱۴۸	امام حاکم کا احسان	۱۲۰
۱۴۹	امام حاکم کے مستدرک میں چوک کی پہلی وجہ	۱۲۱
۱۵۰	دوسری وجہ	۱۲۱
۱۵۱	مستخرج کا تعارف	۱۲۲
۱۵۲	مستخرج کے نام سے موسوم کتابیں	۱۲۲

۱۵۳	اربعینہ کا تعارف	۱۲۲
۱۵۴	اربعینہ پر محدثین کے توجہ کی وجہ	۱۲۳
۱۵۵	اربعین کے ساتھ موسوم کتابیں	۱۲۳
۱۵۶	اجزاء کا تعارف	۱۲۴
۱۵۷	اجزاء ورسائل میں فرق	۱۲۴
۱۵۸	بقول صاحب کشف الظنون اجزاء کے مؤلفین ۱۱۳ ہیں	۱۲۴
۱۵۹	مشیخہ کا تعارف	۱۲۵
۱۶۰	غرائب کا تعارف	۱۲۵
۱۶۱	تراجم کا تعارف	۱۲۶
۱۶۲	زوائد کا تعارف	۱۲۶
۱۶۳	مسلسلات کا تعارف	۱۲۶
۱۶۴	۲-حکم شرعی	۱۲۷
۱۶۵	حدیث کا حکم باعتبار تعلیم وتعلم	۱۲۷
۱۶۶	حدیث کا حکم باعتبار عمل	۱۲۷
۱۶۷	(۳) تقسیم وتبویب	۱۲۸
۱۶۸	۴-تعیین صحاح ستہ	۱۲۹

۱۶۹	چھٹے نمبر صحاح ستہ میں کونسی کتاب ہے؟	۱۲۹
۱۷۰	پہلا قول یہ ہے کہ ابن ماجہ ہے	۱۳۰
۱۷۱	دوسرا قول یہ ہے کہ طحاوی شریف ہے	۱۳۰
۱۷۲	تیسرا قول یہ ہے کہ دارمی شریف ہے	۱۳۱
۱۷۳	چوتھا قول یہ ہے کہ موطا امام مالک ہے	۱۳۱
۱۷۴	پانچواں قول یہ ہے کہ موطاء امام مالک یا دارمی ہے	۱۳۱
۱۷۵	۵-ترتیب بین الصحاح یا ترتیب بین الصحاح الستہ	۱۳۲
۱۷۶	صحاح ستہ میں اصح وافضل کونسی کتاب ہے	۱۳۲
۱۷۷	پہلا قول یہ ہے کہ نسائی شریف ہے	۱۳۲
۱۷۸	دوسرا قول یہ ہے کہ موطاء امام مالک ہے	۱۳۳
۱۷۹	اس قول پر اعتراض اور حافظ ابن حجر کا جواب	۱۳۳
۱۸۰	تیسرا قول یہ ہے کہ مسلم شریف ہے	۱۳۴
۱۸۱	بخاری و مسلم میں متکلم فیہ روایات کی تعداد	۱۳۴
۱۸۲	چوتھا قول یہ ہے کہ بخاری شریف ہے	۱۳۶
۱۸۳	دوسرے نمبر پر مسلم شریف ہے	۱۳۶
۱۸۴	حضرت شاہ صاحب کی رائے	۱۳۶

۱۸۵	بعض حضرات کے نزدیک مسلم وابوداؤد برابر ہیں	۱۳۶
۱۸۶	حضرت شیخ کی رائے	۱۳۷
۱۸۷	چوتھے نمبر پر ترمذی شریف ہے	۱۳۷
۱۸۸	بعض حضرات ترمذی اور مسلم کو ہم پلہ مانتے ہیں	۱۳۸
۱۸۹	دوسرا قول یہ ہے کہ ترمذی نسائی سے کم درجہ ہے	۱۳۸
۱۹۰	ایک اعتراض اوراس کا جواب	۱۳۸
۱۹۱	امام ترمذی کی تحسین کے بارہ میں ضابطہ	۱۳۹
۱۹۲	ترمذی کی ایک روایت پر اشکال اور جواب	۱۳۹
۱۹۳	پانچویں نمبر پر نسائی شریف ہے	۱۳۹
۱۹۴	چھٹے نمبر پر ابن ماجہ ہے	۱۴۰
۱۹۵	فائدہ:	۱۴۰
۱۹۶	صحاح کا اطلاق حقیقۃً بخاری ومسلم ہی پر ہوتا ہے	۱۴۱
۱۹۷	نسائی سے مراد سنن صغری ہے	۱۴۱
۱۹۸	۲-ترتیب بین الصحاح باعتبار تعلیم	۱۴۲
۱۹۹	اغراض مصنفین	۱۴۲
۲۰۰	۶-اغراض مصنفین صحاح ستہ	۱۴۲

۲۰۱	امام ترمذی کی غرض	۱۴۲
۲۰۲	امام ابوداؤد کی غرض	۱۴۳
۲۰۳	امام بخاری کی غرض	۱۴۳
۲۰۴	امام مسلم کی غرض	۱۴۴
۲۰۵	امام نسائی کی غرض	۱۴۴
۲۰۶	ابن ماجہ کی غرض	۱۴۴
۲۰۷	تعلیم کے اعتبار سے صحاح ستہ کی ترتیب	۱۴۵
۲۰۸	حضرت گنگوہی کا اندازِ درس صحاح ستہ	۱۴۶
۲۰۹	**طبقات کتب حدیث:**	۱۴۷
۲۱۰	حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے چار طبقات بیان کئے ہیں	۱۴۷
۲۱۱	ایک تعارض اور اس کا جواب	۱۴۷
۲۱۲	طبقہ اولی	۱۴۸
۲۱۳	طبقہ ثانیہ	۱۴۹
۲۱۴	طبقہ ثالثہ	۱۵۰
۲۱۵	طبقۂ رابعہ	۱۵۰
۲۱۶	طبقۂ خامسہ	۱۵۱

۲۱۷	مذاہب ائمہ صحاح ستہ	۱۵۰
۲۱۸	امام بخاری کا مذہب	۱۵۰
۲۱۹	امام بخاری شافعی تھے	۱۵۲
۲۲۰	امام بخاری کے شافعی ہونے کی دلیل	۱۵۲
۲۲۱	امام بخاری کے شافعی ہونے کی دلیل پر اعتراض	۱۵۳
۲۲۲	تیسرا قول یہ ہے کہ امام بخاری حنبلی تھے	۱۵۳
۲۲۳	امام بخاری کے مسلک کے بارے میں تحقیقی قول	۱۵۳
۲۲۴	امام مسلم کا مسلک	۱۵۴
۲۲۵	حضرت شاہ صاحب کی رائے	۱۵۴
۲۲۶	امام ابوداؤد کا مسلک	۱۵۵
۲۲۷	حضرت شیخ کا رجحان	۱۵۵
۲۲۸	امام ترمذی کا مسلک	۱۵۵
۲۲۹	حضرت شیخ کی رائے	۱۵۶
۲۳۰	حضرت شاہ صاحب کا میلان	۱۵۶
۲۳۱	امام نسائی کا مسلک	۱۵۷
۲۳۲	ابن ماجہ کا مسلک	۱۵۷

۲۳۳	فضائل ترمذی شریف	۱۵۷
۲۳۴	ترمذی شریف کی علماء حجاز، عراق، خراسان نے تحسین کی	۱۵۸
۲۳۵	ترمذی کی ایک خصوصیت	۱۵۸
۲۳۶	علامہ ابن الاثیر کی تحسین	۱۵۹
۲۳۷	ابو اسماعیل الہروی کی تحسین	۱۶۰
۲۳۸	علامہ اشبیلی کی رائے	۱۶۰
۲۳۹	شیخ بیجوری کی رائے	۱۶۲
۲۴۰	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے	۱۶۲
۲۴۱	حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی رائے	۱۶۳
۲۴۲	۱۰-شرائط تخریج ائمہ صحاح ستہ	۱۶۳
۲۴۳	علامہ حازمی کا ارشاد	۱۶۴
۲۴۴	امام بخاری ومسلم کے یہاں اخذ روایت کی دو شرطیں ہیں	۱۶۴
۲۴۵	راوی کے اندر دو صفات ہوتے ہیں	۱۶۴
۲۴۶	راوی کی پانچ قسمیں ہیں	۱۶۵
۲۴۷	امام بخاری کے شرائط اخذ حدیث	۱۶۵
۲۴۸	امام مسلم کے شرائطِ اخذ حدیث	۱۶۶

۲۴۹	امام ابوداؤد کے شرائطِ اخذ حدیث	۱۶۶
۲۵۰	امام ترمذی کے شرائط	۱۶۶
۲۵۱	امام نسائی کے شرائط	۱۶۶
۲۵۲	ابن ماجہ کے شرائط	۱۶۷
۲۵۳	۱۱-حضرت امام ترمذیؒ کے مختصر حالات	۱۶۷
۲۵۴	امام ترمذی کی پیدائش	۱۶۷
۲۵۵	وفات	۱۶۷
۲۵۶	ترمذی کے تلفظ کے بارہ میں اقوال مختلفہ	۱۶۸
۲۵۷	مقام ترمذ کا تعارف	۱۶۸
۲۵۸	امام ترمذی کے اساتذہ	۱۶۹
۲۵۹	امام بخاری کا امام ترمذی کے بارے میں ارشاد	۱۶۹
۲۶۰	حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی امام بخاری کے قول کی توجیہ	۱۶۹
۲۶۱	اس تعلق خاص کی وجہ سے امام ترمذی امام بخاری کے علوم کے جانشین بنے۔	۱۷۰
۲۶۲	امام ترمذی حافظہ میں ضرب المثل تھے	۱۷۱
۲۶۳	امام ترمذی کے حافظہ کا ایک واقعہ	۱۷۱

۲۶۴	امام بخاری کا امام ترمذی سے دو روایتیں لینا	۱۷۲
۲۶۵	امام ترمذی کا امام بخاری سے زیادہ تر روایات لینا	۱۷۳
۲۶۶	امام ترمذی کی دیگر تصنیفات	۱۷۴
۲۶۷	شمائل ترمذی کا ختم دفع مصائب کے لئے مجرب ہے	۱۷۴
۲۶۸	ابن الجوزی کا ترمذی پر تبصرہ	۱۷۵
۲۶۹	امام نووی کا ابن الجوزی پر تبصرہ	۱۷۵
۲۷۰	علامہ سیوطی کا ابن الجوزی کا تعاقب	۱۷۵
۲۷۱	امام ترمذی کا زھد	۱۷۶
۲۷۲	شروحات ترمذی	۱۷۶
۲۷۳	تذکرہ الکوکب الدرری	۱۷۷
۲۷۴	تذکرہ معارف السنن	۱۷۷
۲۷۵	تذکرہ العرف الشذی	۱۷۸
۲۷۶	تذکرہ تحفۃ الاحوذی	۱۷۸
۲۷۷	تعارف عارضۃ الاحوذی	۱۷۹
۲۷۸	تعارف معارف مدنیہ	۱۷۹
۲۷۹	تعارف درس ترمذی	۱۸۰

۲۸۰	امام ترمذی کی ذکر کردہ تمام روایات معمول بہا ہیں سوائے دو کے	۱۸۰
۲۸۱	غیر معمول بہا پہلی حدیث	۱۸۰
۲۸۲	غیر معمول بہا دوسری روایت	۱۸۱
۲۸۳	۱۲-امام ترمذی کی بعض عادات	۱۸۱
۲۸۴	عادت اولی	۱۸۲
۲۸۵	ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۸۲
۲۸۶	پہلا جواب	۱۸۲
۲۸۷	دوسرا جواب	۱۸۳
۲۸۸	امام ترمذی کی دوسری عادت	۱۸۳
۲۸۹	تین مقامات	۱۸۳
۲۹۰	ایک سوال اور اس کا جواب	۱۸۴
۲۹۱	جواب	۱۸۴
۲۹۲	امام ترمذی کی تیسری عادت	۱۸۴
۲۹۳	امام ترمذی کی چوتھی عادت	۱۸۵
۲۹۴	امام ترمذی کی پانچویں عادت	۱۸۶
۲۹۵	امام ترمذی کی چھٹی عادت	۱۸۶

۲۹۶	امام ترمذی کی ساتویں عادت	۱۸۷
۲۹۷	ایک سوال اور جواب	۱۸۷
۲۹۸	جواب	۱۸۷
۲۹۹	امام ترمذی کی آٹھویں عادت	۱۸۸
۳۰۰	امام ترمذی کی نویں عادت	۱۸۸
۳۰۱	امام ترمذی کی دسویں عادت	۱۸۹
۳۰۲	امام ترمذی کی گیارہویں عادت	۱۸۹
۳۰۳	۱۳-ثلاثیات ترمذی	۱۹۰
۳۰۴	ثلاثی کا تعارف	۱۹۰
۳۰۵	ثلاثیات سب سے زیادہ مسند احمد میں ہیں	۱۹۱
۳۰۶	ثلاثیات میں دوسرے نمبر پر دارمی ہے	۱۹۱
۳۰۷	ثلاثیات میں تیسرے نمبر پر بخاری شریف ہے	۱۹۱
۳۰۸	چوتھے نمبر پر ابن ماجہ ہے	۱۹۲
۳۰۹	پانچویں نمبر پر ترمذی ہے	۱۹۲
۳۱۰	ملا علی قاری کا شبہ	۱۹۲
۳۱۱	ملا علی قاری کے شبہ کا علامہ سیوطی کی طرف سے جواب	۱۹۳

۳۱۲	۱۴-مکرر ابواب واحادیث	۱۹۳
۳۱۳	۱۴-مکرر ابواب ترمذی	۱۹۴
۳۱۴	پہلا باب	۱۹۴
۳۱۵	دوسرا باب	۱۹۴
۳۱۶	تیسرا باب	۱۹۵
۳۱۷	چوتھا باب	۱۹۵
۳۱۸	پانچواں باب	۱۹۵
۳۱۹	چھٹا باب	۱۹۶
۳۲۰	ساتواں باب	۱۹۶
۳۲۱	آٹھواں باب	۱۹۶
۳۲۲	نواں باب	۱۹۶
۳۲۳	دسواں باب	۱۹۶
۳۲۴	گیارہواں باب	۱۹۷
۳۲۵	بارہواں باب	۱۹۷
۳۲۶	۱۵-مکرر احادیث	۱۹۷
۳۲۷	ترمذی میں بیاسی احادیث مکرر ہیں	۱۹۷

۳۲۸	۱۶-آداب درس حدیث	۲۰۴
۳۲۹	ادب کی تعریف	۲۰۴
۳۳۰	تپائی کا ادب	۲۰۵
۳۳۱	کتاب کا ادب	۲۰۵
۳۳۲	حضرت شیخ کا معمول	۲۰۶
۳۳۳	ساتھیوں کا ادب	۲۰۷
۳۳۴	اساتذہ کا ادب واحترام	۲۰۷
۳۳۵	تصحیح نیت بھی ضروری ہے	۲۰۸
۳۳۶	دوران درس کے آداب	۲۰۹
	نیل الفرقدین **فی المصافحۃ بالیدین**	۲۱۱
۱	عرض حبیب	۲۱۳
۲	مصافحہ کی لغوی تحقیق	۲۱۵
۳	مصافحہ کی شرعی تحقیق	۲۱۶
۴	مصافحہ کے وقت دونوں کا چہرہ آمنے سامنے ہونا چاہئے	۲۱۶
۵	مصافحہ کی شرعی حیثیت	۲۱۷

۶	حضرت امام مالک کی رائے	۲۱۸
۷	مصافحہ کے بارہ میں صاحب تحفۃ کی رائے	۲۱۹
۸	مصافحہ کا وقت مشروع	۲۱۹
۹	مصافحہ کی ابتداء	۲۲۰
۱۰	کثرت مصافحہ	۲۲۱
۱۱	مصافحہ کے منافع دنیویہ	۲۲۲
۱۲	مصافحہ سے محبت پیدا ہوتی ہے	۲۲۳
۱۳	مصافحہ کے منافع اخرویہ	۲۲۳
۱۴	نفع اول (۱):	۲۲۳
۱۵	مصافحہ کی وجہ سے مغفرت کا ہونا	۲۲۳
۱۶	نفع دوم (۲):	۲۲۴
۱۷	نفع سوم (۳)	۲۲۴
۱۸	مصافحہ سے گناہوں کا جھڑنا	۲۲۴
۱۹	نفع چہارم (۴)	۲۲۵
۲۰	نفع پنجم (۵)	۲۲۵
۲۱	مصافحہ کے وقت دعاء کی قبولیت	۲۲۵
۲۲	نفع ششم (۶)	۲۲۶

۲۳	نفع ہفتم (۷)	۲۲۶
۲۴	مصافحہ کے وقت کی دعاء	۲۲۶
۲۵	مصافحہ کے وقت کی نبوی دعاء	۲۲۷
۲۶	مصافحہ کے وقت سرخم کرنے کا حکم	۲۲۸
۲۷	مصافحہ کے بعد ہاتھ چومنا	۲۲۸
۲۸	مصافحہ کے بعد ہاتھ سینے پر پھیرنا	۲۲۹
۲۹	عورت و مرد سے مصافحہ کا حکم	۲۳۰
۳۰	محارم سے مصافحہ کا حکم	۲۳۱
۳۱	عورتوں کا آپس میں مصافحہ کا حکم	۲۳۱
۳۲	بغیر سلام کے صرف مصافحہ کا حکم	۲۳۲
۳۳	غیر مسلموں سے مصافحہ کا حکم	۲۳۲
۳۴	مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی کی رائے	۲۳۳
۳۵	کافر کو سلام نہ کرنے کی علتِ غائیہ	۲۳۴
۳۶	نماز عصر و فجر کے بعد مصافحہ کا حکم	۲۳۵
۳۷	نماز کے بعد مصافحہ روافض کا طریقہ ہے	۲۳۶
۳۸	عیدین کے بعد مصافحہ کا حکم	۲۳۷
۳۹	ایک ہاتھ سے مصافحہ کا حکم	۲۳۷

۴۰	دو ہاتھ سے مصافحہ کا انکار حدیث کا انکار ہے	۲۳۹
۴۱	ایک ہاتھ سے مصافحہ انگریزوں کا شعار ہے	۲۳۹
۴۲	ایک ہاتھ سے مصافحہ اہل باطل کا شعار ہے	۲۳۹
۴۳	خلاصۂ کلام	۲۴۰
۴۴	تشبہ بالاغیار کی ممانعت	۲۴۰
۴۵	تشبہ سے بچنے کی ہدایت	۲۴۱
۴۶	حضرت عمر کا عربوں کے نام مکتوب	۲۴۲
۴۷	قوم مسلم کو اپنی شناخت کی حفاظت بھی ضروری ہے	۲۴۳
۴۸	خلاصۂ کلام	۲۴۳
۴۹	مصافحہ کا مسنون طریقہ	۲۴۴
۵۰	دونوں ہاتھ سے مصافحہ کے دلائل	۲۴۴
۵۱	اصولی گفتگو:	۲۴۵
۵۲	''فقہ البخاری فی تراجمہ''	۲۴۵
۵۳	مصافحہ کے باب میں چار الفاظ کا استعمال	۲۴۶
۵۴	ید سے مراد جنس ہے	۲۴۷
۵۵	امام بخاری کا ترجمہ باب المصافحہ کا مطلب	۲۴۷
۵۶	امام بخاری کا حدیث عبداللہ ابن مسعود کے ذکر کا مطلب	۲۴۷

۵۷	حدیث عبداللہ ابن مسعود میں جو مصافحہ ہے وہ عندالتعلیم ہے عندالتسلیم نہیں۔	۲۴۸
۵۸	امام بخاری کا حدیث عبداللہ ابن مسعود کے ذکر کا مقصد	۲۴۹
۵۹	کفی بین کفیہ میں زیادہ افتخار ہے	۲۵۰
۶۰	خلاصۂ کلام	۲۵۰
۶۱	امام بخاری کا دوسرا ترجمہ	۲۵۱
۶۲	دوسرے ترجمہ سے امام بخاری کا مقصد:	۲۵۲
۶۳	امام بخاری کا عبداللہ ابن مبارک کا اثر نقل کرنے کا مقصد	۲۵۲
۶۴	امام بخاری کی تخریج حدیث سے دو ہاتھ سے مصافحہ ثابت ہوتا ہے	۲۵۳
۶۵	خلاصۂ کلام	۲۵۳
۶۶	دو ہاتھ سے مصافحہ کی سنیت پر تیسری دلیل	۲۵۴
۶۷	امام بخاری نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کی کوئی روایت ذکر نہیں کی	۲۵۵
۶۸	دو ہاتھ سے مصافحہ کی سنیت کی چوتھی دلیل	۲۵۶
۶۹	ایک شبہ اور اس کا جواب:	۲۵۶
۷۰	دو ہاتھ سے مصافحہ کی سنیت کی پانچویں دلیل	۲۵۷
۷۱	دو ہاتھ سے مصافحہ کی سنیت کی چھٹی دلیل	۲۵۸
۷۲	دو ہاتھ سے مصافحہ کی سنیت کی ساتویں دلیل	۲۵۹

۷۳	آٹھویں دلیل	۲۶۰
۷۴	نویں دلیل	۲۶۰
۷۵	دسویں دلیل	۲۶۰
۷۶	خلاصۂ کلام	۲۶۱
۷۷	ایک شبہ اور اس کا جواب	۲۶۱
۷۸	گفتگو کا تکملہ	۶۲
	التوسل بسید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم	۲۶۵
۱	پیش لفظ	۲۶۷
۲	تنقیح مسئلہ	۲۶۹
۳	ایک شبہ کا ازالہ	۲۷۰
۴	توسل کی ایک صورت	۲۷۰
۵	قاضی عیاض کا ارشاد	۲۷۱
۶	**اثبات توسل کے دلائل:**	۲۷۳
۷	دلیل نمبر (۱)	۲۷۳
۸	علامہ بوصیری کا ارشاد	۲۷۴
۹	دلیل نمبر (۲)	۲۷۴

۱۰	تفسیر مدارک کی وضاحت	۲۷۵
۱۱	ایک اعرابی کا واقعہ	۲۷۶
۱۲	ایک اشکال اور اس کا جواب	۲۷۷
۱۳	علامہ سبکی کا جواب	۲۷۷
۱۴	صاحب جذب القلوب کا ارشاد	۲۷۸
۱۵	علامہ صدیق حسن خاں کی وضاحت	۲۷۹
۱۶	دلیل نمبر (۳)	۲۷۹
۱۷	صاحب مدارج النبوۃ کا ارشاد	۲۸۰
۱۸	دلیل نمبر (۴)	۲۸۰
۱۹	آپ ﷺ کی ذات بچپن سے وسیلہ تھی	۲۸۱
۲۰	دلیل نمبر (۵)	۲۸۲
۲۱	حضرت صالح بن حسن کے اشعار	۲۸۳
۲۲	دلیل نمبر (۶)	۲۸۴
۲۳	حضرت شاہ عبدالغنی کا ارشاد	۲۸۵
۲۴	دلیل نمبر (۷)	۲۸۶
۲۵	قاضی عیاض کا ارشاد	۲۸۶

۲۶	ملا علی قاری کا ارشاد	۲۸۷
۲۷	دلیل نمبر (۸)	۲۸۸
۲۸	دلیل نمبر (۹)	۲۸۹
۲۹	دلیل نمبر (۱۰)	۲۸۹
۳۰	حضرت امام مالک کا ارشاد	۲۹۰
۳۱	خلاصۂ دلائل	۲۹۱
۳۲	**اسلاف و اکابرین کی آراء:**	۲۹۲
۳۳	(۱) علامہ آلوسی کی رائے	۲۹۲
۳۴	(۲) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی رائے	۲۹۲
۳۵	(۳) شیخ تبریزی کی رائے	۲۹۳
۳۶	(۴) حضرت مجدد الف ثانی کی رائے	۲۹۴
۳۷	(۵) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی رائے	۲۹۴
۳۸	توسل کے بارہ میں اسلاف و اکابرین کی تحریرات	۲۹۶
۳۹	۱۔ حضرت شیخ الہند تحریر فرماتے ہیں	۲۹۶
۴۰	۲۔ حضرت مولانا وصیت علی صاحب کی تصویب	۲۹۶
۴۱	۳۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی تصدیق	۲۹۷

۴۲	۴۔حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں	۲۹۷
۴۳	۵۔حضرت مولانا قاسم نانوتوی توسل کے استحسان کے قائل تھے	۲۹۸
۴۴	۶۔حضرت مولانا محمد امین صاحب کی تحسین	۲۹۹
۴۵	۷۔حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب کی تصویب	۲۹۹
۴۶	۸۔حضرت مولانا منفعت علی صاحب تحریر فرماتے ہیں	۲۹۹
۴۷	۹۔حضرت مولانا شاہ محمد عمر صاحب رقمطراز ہیں	۳۰۰
۴۸	۱۰۔صاحب تفسیر حقانی حضرت مولانا عبدالحق صاحب لکھتے ہیں	۳۰۰
۴۹	**منکرینِ حدیث کے دلائل کے جوابات:**	۳۰۲
۵۰	منکرین توسل کی دلیل (۱)	۳۰۲
۵۱	انکار توسل کی دلیل کا جواب	۳۰۲
۵۲	حضرت ابوبکرؓ کے عمل کے جواب کی تائید	۳۰۳
۵۳	خلاصۂ جواب	۳۰۴
۵۴	علامہ سبکی کا جواب	۳۰۴
۵۵	حافظ ابن حجر کا اعتراف	۳۰۴
۵۶	منکرین توسل کی دلیل (۲)	۳۰۵
۵۷	دلیل نمبر (۲) کا جواب	۳۰۶

۵۸	حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کا جواب	۳۰۶
۵۹	خلاصۂ جواب	۳۰۷
۶۰	ابن تیمیہ کا اعتراف	۳۰۷
۶۱	ابن تیمیہ کے عقائد	۳۰۸
	تنقیح الاذهان	۳۱۱
۱	عرض حبیب	۳۱۳
	سوالات:	۳۱۵
۲	وطن سے دور انتقال کے بعد نعش کو وطن لے جانا درست ہے یا نہیں؟	۳۱۵
۳	وطن لے جانے کی وصیت درست ہے یا نہیں؟	۳۱۵
۴	اگر گنجائش ہے تو کہاں تک؟	۳۱۵
۵	اگر گنجائش نہیں تو حبشہ سے مکہ مکرمہ جنازہ کیوں منتقل کیا گیا؟	۳۱۶
۶	حضور اور صحابہ کے زمانہ میں کیا معمول تھا؟	۳۱۶
۷	اگر کسی مدرسہ میں طالب علم کا انتقال ہوجائے تو اخراجات کس کے ذمہ ہوں گے؟	۳۱۶
۸	جنازہ وطن پہونچانے کے اخراجات کا متحمل کون ہوگا؟	۳۱۶

۹	اگر مدرسہ کے ذمہ ہیں تو کیوں؟	۳۱۷
۱۰	جنازہ وطن لے جانے میں کیا منکرات ہیں؟	۳۱۷
	جوابات:	۳۱۸
۱۱	ایک شہر سے دوسرے شہر جنازہ لے جانا مکروہ ہے	۳۱۸
۱۲	مقام انتقال سے وطن جنازہ لے جانے کی وصیت باطل ہے	۳۱۹
۱۳	ایک دو میل لے جانے کی گنجائش ہے	۳۱۹
۱۴	جس صحابی کا جہاں انتقال ہوا وہیں تدفین ہوئی:	۳۲۰
۱۵	مدرسہ میں انتقال کرنے والے کی تجہیز و تکفین مدرسہ کے ذمہ نہیں	۳۲۲
۱۶	جنازہ وطن لے جانے کا خرچ مدرسہ کے ذمہ نہیں	۳۲۳
۱۷	جنازہ منتقل کرنے کے منکرات	۳۲۳
	سوالات:	۳۲۵
۱۸	دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے؟	۳۲۵
۱۹	اگر دوبارہ کی گنجائش ہے تو صرف باپ کے لئے یا سب کے لئے؟	۳۲۵
۲۰	غیر اولیاء کا دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟	۳۲۶
	جوابات:	۳۲۸
۲۱	اولیاء کی اجازت سے نماز جنازہ کے بعد اولیاء کے لئے نماز جنازہ درست نہیں	۳۲۸

۲۲	ولی کے ساتھ دوسرے لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوسکتے ہیں	۳۲۹
۲۳	بغیر ولی کے نماز جنازہ ناقص ہوتی ہے	۳۳۰
۲۴	ولی کے بعد کسی کو نماز جنازہ دوبارہ پڑھنے کی اجازت نہیں	۳۳۲
۲۵	ہندو کا مسلمان کے جنازہ میں شرکت درست نہیں	۳۳۴
۲۶	مسلمان کے جنازہ کے ساتھ ہندوؤں کا چلنا درست نہیں	۳۳۴
۲۷	کافر کا مسلمان کے جنازہ کو کندھا دینا ممنوع ہے	۳۳۴
۲۸	کافر کا مٹی دینا درست نہیں	۳۳۵
۲۹	ہندو کے جلانے میں مسلمان کی شرکت درست نہیں	۳۳۵
۳۰	غیر مسلم کے جنازہ میں مسلم کی شرکت ممنوع ہے	۳۳۵

پیش لفظ

مستقل کسی ایک موضوع پر کام کرنے کا مزاج زمانۂ سلف سے چلا آ رہا ہے، چنانچہ ماضی میں اس کی سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں جو اجزاء ورسائل کے نام سے موسوم ہیں۔اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مصنف اپنی ساری صلاحیت اور توجہ کو کسی ایک موضوع پر مرکوز کر دیتا ہے جسکی وجہ سے اسکے سارے اجزاء منقح ہو کر یکجا ہو جاتے ہیں اس طرح وہ موضوع اپنے تمام اجزاء کے ساتھ نکھر کر قارئین کے ہاتھ میں آ جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تصنیف وتالیف انتہائی اہم کام ہے جسکی صلاحیت ہر ایک کے پاس نہیں ہوتی کچھ چیدہ اور برگزیدہ افراد ہی اس عظیم دولت کے حامل ہوتے ہیں جنکی علمی کاوشیں کتب خانوں کی زینت بن کر ایک طویل عرصہ تک فیض رسانی کا کام کرتی ہیں اس میں خاص طور پر کسی ایک موضوع پر کام کرنا اور اس کے تمام جزئیات کو کتابوں کے ذخیرہ سے نکالکر اور نکھار کر قارئیں کی نذر کرنا یقیناً طویل المدت جدو جہد اور سعی بلیغ کا محتاج ہوتا ہے۔

لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں اس امت میں ایسے رجال کار پیدا فرمائے جو تمام تر علائق اور موانع سے الگ ہو کر اس اہم علمی

ودینی فریضہ میں مشغول رہے اور امت کو ان کی علمی اور دینی رہبری کے لئے ایک بڑا ذخیرہ جمع کردیا جس سے امت قیامت تک مستفیض ہوتی رہے۔

اپنے انہی اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس خادم نے بھی تمام تر علائق اور موانع کے باوجود اپنے کو خدمت دین اور تبلیغ دین کے لئے وقف کردیا۔

چنانچہ الحمدللہ اب تک بفضلہٖ تعالیٰ چالیس کتابیں وجود میں آچکی ہیں اور طبع ہوکر عوام وخواص اصاغر واکابر کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ''رسائل حبیب الامت'' بھی ہے۔

یہ کتاب ان مختلف رسائل کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں اپنے بڑوں کے حکم وخواہش پر اس خادم نے لکھے اور تقریبا ہر رسالہ اکابرین وقت کی نظر سے گزرا جیسے ''المساعی المشکورۃ فی الدعاء بعد المکتوبہ'' کے نام سے جب رسالہ مکمل ہوا اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک میں پہنچا تو آپ نے پوری کتاب طواف سے فارغ ہونے کے بعد حطیم میں بیٹھ کر خادم کے ذریعہ سنی اور سننے کے بعد حطیم ہی میں دعائیہ کلمات پر مشتمل آپ نے ایک تحریر لکھوائی جو ''المساعی المشکورہ فی الدعاء بعد المکتوبہ'' رسالہ کے ساتھ شائع ہوئی جس کو آپ حضرات بھی پڑھ سکتے ہیں اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری سے یہ فرمایا کہ آپ کے شاگرد کی پوری کتاب میں نے سن لی ماشاء اللہ اپنے موضوع

پر بہت اچھی کتاب لکھی ہے، حضرت شیخ اقدس کی زبان سے یہ جملہ سنکر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب بہت محظوظ ہوئے اوراس کے بعد مکہ مکرمہ سے اپنے برخوردار کوایک خط لکھا جس کے پہونچنے کے بعد برخوردار نے اس خادم کو سنایا جس میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری نے یہ تحریر فرمایا تھا کہ اس سفر حج میں مجھکو دو خوشی حاصل ہوئی، (ا) جون پور سے بنارس آتے ہوئے تم نے یہ خوشخبری سنائی کہ مفتی صاحب کومیں نے بھائی بنالیا ہے، اور بھائیوں کی فہرست میں نونمبر پران کارجسٹریشن کردیا ہے اور یہاں آنے کے بعد دوسری خوشخبری حضرت شیخ کی زبان سے ملی کہ آپ کے شاگرد کی کتاب میں نے پوری سن لی یعنی حضرت شیخ نے شاگرد کے زمرہ میں مفتی صاحب کوداخل کردیا ابھی تک تو مولانا یونس صاحب ہی کولوگ میرا شاگرد کہتے تھے جبکہ وہ اصلا شاگرد مولانا ضیاء الحق صاحب کے تھے اور دوسرے نمبر پر بغیر محنت کے حضرت شیخ کی زبانی ایک شاگرد اورمل گئے جسکی مجھ کو بہت خوشی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے پورا رسالہ سننے کے بعد مزید تحقیق کے لئے حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری کے حوالہ وہ رسالہ کردیا، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب کا خط بھی ''المساعی المشکورہ فی الدعاء بعد المکتوبہ'' کے ساتھ شائع کردیا ہے جسکو آپ حضرات پڑھ سکتے ہیں حضرت مولاما عاشق الٰہی صاحب نے تحقیقی مطالعہ کے بعد جومراسلہ ارسال فرمایا اس میں یہ جملہ بھی تھا کہ اس موضوع پر

اور بھی رسائل نظر سے گزرے لیکن جتنا جامع اور نافع آپ کا رسالہ ہے اتنی نافعیت اور کسی رسالہ میں نہیں ہے۔

اسی طرح یہ رسالہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کی خدمت میں پہنچا تو ملاقات کے وقت انہوں نے بھی اس کی بہت پذیرائی فرمائی اور اس خادم کو مبارک باد پیش کیا۔

الغرض اس طرح کے بہت سے رسائل کے مجموعہ پر خادم کی یہ کتاب مشتمل ہے، جلد اول میں چار کتابیں ہیں، پہلا رسالہ ''مبادیات حدیث'' کے نام سے ہے جو دراصل ترمذی شریف کے درس کا ابتدائی مقدمہ ہے جو مقدمہ العلم اور مقدمہ الکتاب کے جملہ تفصیلات پر مشتمل ہے۔

علم حدیث کی تعریف، موضوع، غرض وغایت، وجہ تسمیہ، استمداد، حکم شارع، فضیلت ومرتبہ، واضع، طبقات مدونین، تقسیم وتبویب، کتابت حدیث جیسے عناوین پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

مقدمۃ الکتاب کے تحت چودہ مباحث مذکور ہیں، انواع کتب حدیث، حکم شرعی، تقسیم وتبویب، تعیین صحاح ستہ، ترتب بین الصحاح باعتبار صحت وفضیلت، باعتبار تعلیم، اغراض مصنفین صحاح ستہ، طبقات حدیث، مذاہب ائمہ صحاح ستہ، فضائل ترمذی شرائط تخریج ائمہ صحاح ستہ، حالات امام ترمذی، عادات امام ترمذی، ثلاثیات ترمذی، مکرر

ابواب ترمذی، مکرر احایث ترمذی وغیرہ جیسے اہم مباحث اس میں مذکور ہیں۔

دوسرا رسالہ ''نیل الفرقدین'' کے نام سے ہے جو دو ہاتھ سے مصافحہ کی مسنونیت پر ایک بیش قیمتی رسالہ ہے، جو حضرات ایک ہاتھ سے مصافحہ کے قائل ہیں ان کا روایات و آثار کی روشنی میں مسکت جواب دیا گیا ہے، اس کے ضمن میں سلام ومصافحہ کے دیگر اہم مسائل بھی اس میں مذکور ہیں، یہ کتاب بھی اس خادم نے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جون پوری علیہ الرحمہ کے حکم پر لکھی تھی۔

تیسرا رسالہ اس کتاب میں ''التوسل بسید الرسل'' کے نام سے امت کا ایک طبقہ توسل بالنبی کا منکر ہے اور اس کو ضلالت قرار دیتا ہے، اس کتاب میں آیات وروایات اور اقوال سلف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ توسل بالنبی ثابت ہے اور جائز ہے، صرف ابن تیمیہ اور ان کی اتباع میں کچھ حضرات اس کے منکر ہیں، باقی علماء سلف اور علماء دیوبند اس کے جواز کے قائل ہیں۔

چوتھا رسالہ اس کتاب میں ''تنقیح الاذہان فی انتقال جسد المیت من مکان الی مکان'' کے نام سے ہے، یہ رسالہ بھی اس خادم نے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جون پوری علیہ الرحمہ کے حکم پر لکھا، چونکہ اس علاقہ میں سعودیہ وغیرہ سے مرنے کے بعد نعش کے لانے کا رواج تیزی سے بڑھ رہا تھا، اس لئے حضرت مولانا کے حکم پر اس موضوع پر رسالہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس میں جنازہ کے انتقال مکانی کے ساتھ

اس سے متعلق دوسرے اہم مسائل پر فقہاء کرام کے کلام کی روشنی میں مدلل گفتگو کی گئی ہے۔

دعا ہے اللہ تعالی اس علمی کاوش کو قبول فرمائے، اپنی رضاء اور خادم کی نجات کا ذریعہ بنائے اور اس سے افادہ استفادہ عام وتام فرمائے، اور جو علمی کام باقی ہیں اس کے لئے اللہ تعالی صحت اور عمر نصیب فرمائے تاکہ اس کی تکمیل ہو سکے اور ہر قسم کے عوائق اور ہر طرح کے نالائق احوال وافراد سے اللہ تعالیٰ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین

فقط

مفتی حبیب اللہ قاسمی

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور

سنجرپور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

۱۴۴۴/۶/۲۴ھ

۲۰۲۳/۰۱/۱۷ء

مبادیات حدیث

(مقدمہ ترمذی شریف)

(افاضات درسیہ)

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

پیش لفظ

حدیث پاک کی خدمت اور اس کی نشر واشاعت جس قدر اہمیت کی حامل ہے، اہل علم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ حضرت نبی پاک ﷺ کے بیشمار ارشادات اس کی اہمیت وعظمت کے سلسلہ میں وارد ہیں۔ مدارس اسلامیہ میں درس حدیث کے مبادیات کے بیان کا معمول بھی زمانۂ سلف سے چلا آرہا ہے ہر محدث واستاذ حدیث اپنے ذوق ومطالعہ کے مطابق مبادیات حدیث پر اجمالاً یا تفصیلاً گفتگو کرتا ہے اور بہت سے اکابرین کا کلام مطبوع بھی ہو چکا ہے لیکن استاذ محترم حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے درس حدیث (درس ترمذی) کے شروع میں اقتداءً بالاکابر مبادیات حدیث پر جس انداز سے مربوط سالہا سال تک گفتگو فرمائی اس کی نظیر کم ملتی ہے۔ حسن اسلوب وترتیب کے ساتھ مضامین عالیہ دریا بکوزہ کے مصداق ہوا کرتے تھے دوران درس ہر طالب حدیث کی خواہش ہوتی کہ لفظ بہ لفظ میں اس کو محفوظ کرلوں۔ چنانچہ سینکڑوں نے محفوظ کیا اور سینکڑوں محروم رہ گئے بہت سے احباب کے مسلسل اصرار کے بعد حضرت استاذ محترم کی تقاریر کا وہ حصہ جو مبادیات حدیث سے متعلق ہے ''مبادیات حدیث'' کے نام سے نذر قارئین کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ زیر نظر کتاب حضرت الاستاذ کی طویل مدتی مطالعہ

ووسعت نظر کا عکاس ہے، مجھے یقین ہے کہ قارئین کرام مطالعہ کے بعد دعاء ہی دیں گے۔ حضرت الاستاذ اپنی بے پناہ مصروفیت ومشاغل کی وجہ سے باضابطہ نظر ثانی نہیں فرما سکے، لہذا اگر سہو نظر آئے تو قارئین اس کی نسبت مرتب راقم السطور کی طرف فرمائیں حضرت الاستاذ کی طرف نہیں۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس خدمت کو قبول فرمائے اور حضرت استاذ محترم کو صحت وعافیت کے ساتھ عمر دراز نصیب فرمائے تاکہ ہم حضرت کے مضامین عالیہ کو زیادہ سے زیادہ قارئین کرام تک پہنچا سکیں۔

اللہ تعالی اس کتاب کو قبول فرمائے اور حضرت استاذ محترم اور حضرت کے جملہ تلامذہ کے لئے ذریعہ نجات بنائے اور اپنے حبیب پاک ﷺ کی قربت وشفاعت کا ذریعہ بنائے۔

هو الحبيب الذى ترجى شفاعته
لكل هول من الأهوال مقتحم

رشید احمد معروفی

یکے از تلامذہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

عرض حبیب

اللہ پاک کے فضل وکرم اور اپنے اکابرین کی توجہات کی برکت سے ایک طویل زمانہ تک حدیث پاک خصوصاً بخاری شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ، موطا، امام مالک، مشکوۃ شریف وغیرہ کی خدمت کی سعادت حاصل رہی ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس سعادت کو خادم نے اس کی تمام تر عظمتوں کے ساتھ نبھانے کی سعی کی، لیکن ''کل أمر مرهون بأوقاته''۔

دوران درس طلباء کرام کے افادہ علمیہ کی خاطر اوائل درس ترمذی شریف میں مبادیات حدیث پر بشمولیت مقدمۃ العلم ومقدمۃ الکتاب طویل گفتگو کیا کرتا تھا خادم کو اس سلسلہ میں جمع وترتیب، تہذیب وحفظ جیسے اہم مراحل سے گذرنا پڑا لیکن طلباء کرام نے خادم کی ہمت افزائی کی ان کے ذوق کی تسکین کے لئے پھر معمول بن گیا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور کے استاذ خادم کے شاگرد رشید مفتی رشید احمد سلمہ معروفی مبادیات حدیث کو بہت سے

دوستوں کے اصرار پر مرتب کر کے شائع کر رہے ہیں۔ یہ خادم اپنے مشاغل کی وجہ سے باضابطہ نظر ثانی نہیں کر سکا۔ مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ عزیز موصوف اپنی کاوش میں مشکور و ماجور ہوں گے۔

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آله وأصحابه أجمعین، أما بعد۔

سب سے پہلے یہ ذہن نشین کرلیں کہ دوران گفتگو بہت سے اکابرین کے نام آپ کے سامنے آئیں گے، ان کا پورا نام بار بار لینے کے بجائے ان کے القاب ذکر کئے جائیں گے اس لئے ان اشارات کو سن لیں تاکہ ہمیشہ جب اس لقب کا ذکر ہو آپ اس شخصیت کو سمجھ لیں، مثلاً (۱) شیخ الہند سے مراد حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ ہوں گے، (۲) شیخ الاسلام کا نام جب آئے اپنے اکابرین میں اس سے مراد حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ہوں گے، (۳) حضرت شاہ صاحبؒ جب کبھی یہ نام آئے تو اس سے مراد علامہ انور شاہ کشمیریؒ ہوں گے، لہذا شاہ صاحب کے لفظ سے علامہ انور شاہ صاحب کی طرف ذہن منتقل ہوجائے، (۴) علامہ بنوری، اس سے مراد حضرت مولانا یوسف صاحب بنوریؒ ہیں جو صاحب معارف السنن ہیں، (۵) حضرت شیخ جب کبھی دوران درس آپ سے کہا جائے تو اس سے مراد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا زکریا صاحبؒ ہوں گے، لہذا آپ اپنا ذہن ان کی طرف منتقل کرلیں، اسی طرح شراح وائمہ کے مخصوص القاب ہیں لقب پر شہرۃً اکتفاء کیا جاتا ہے اس کے بعد سنیئے یہ

کتاب جو آپ کے سامنے ہے اس کا نام ترمذی شریف ہے، یہ حدیث شریف میں ہے، درس حدیث کا انداز اسلاف واکابرین کا مختلف رہا ہے، اس سلسلہ میں ہمارے اکابرین میں حضرت گنگوہی وحضرت شیخ کے والد محترم مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نیز ابتداءً شیخ الاسلام کا انداز کچھ اور ہی تھا، جو حضرت شاہ صاحب کے انداز سے مختلف تھا، یہ حضرات ثلاثہ ابتداءِ درس میں طویل تقریر کے عادی نہیں تھے، مبادیات نہیں بتاتے تھے، صرف تین بات بتاتے دو مقدمۃ العلم سے متعلق اور ایک مقدمۃ الکتاب سے متعلق یعنی حدیث کی تعریف موضوع غرض وغایت تیسرے نمبر پر صاحب کتاب کا تعارف لیکن علامہ انور شاہ صاحبؒ کا جب زمانہ آیا اور انہوں نے جب درس حدیث شروع کیا تو ابتداءً حدیث کے مبادیات پر ایک طویل گفتگو فرمائی۔

بہر حال حضرت شاہ صاحب کو اس کا حق تھا وہ قوتِ حافظہ کے پہاڑ تھے اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے علماء کے درمیان مشہور ہے کہ وہ چلتے پھرتے کتب خانہ تھے، مشہور ہے کہ ایک مرتبہ باہر کا سفر ہوا تو نور الایضاح کو دیکھا مالک سے مستعار مانگا انہوں نے انکار کیا تب مطالعہ کی اجازت مانگی رات بھر میں پوری کتاب کا مطالعہ کرکے واپس کردیا، اس کے بعد ہندوستان آکر اسے ہو بہو نقل کرادیا، اور ایک نسخہ وہاں بھی بھجوادیا، وہاں کے علماء دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ بہر حال علامہ انور شاہؒ کا حق تھا اس لئے کہ ان کو خدا داد حافظہ اور صلاحیت ملی تھی، اس حقیقت کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مقدمۃ کے تحت طویل بات میں کلفت اور دشواری ہے، مگر یہ حقیقت بھی ناقابل انکار

ہے کہ زمانہ اور اشخاص کے بدلنے سے پہلی سی بات نہ رہی، طلباء میں اب مطالعہ کا ذوق نہیں ان میں تکاسل ہے، انہی حالات کے تحت حضرت شاہ صاحبؒ نے اس گفتگو کی ابتداء کی، اس کے بعد شیخ الاسلامؒ بھی مبادیات پر آخراً طویل گفتگو کرنے لگے تھے اگر چہ یہ بات ان کے ابتدائی ذوق کے خلاف تھی، شاہ صاحبؒ کی اس بدعت حسنہ کو بعد کے علماء اور محدثین نے بھی اختیار کیا کہ کتابوں کے شروع میں حالات زمانہ کے مطابق مبادیات پر گفتگو شروع کی، اقتداءً بالاکابر والاسلاف یہ خادم بھی مبادیات اور متعلقات پر گفتگو کرے گا اگر چہ ان اکابر کا شمہ بھی حاصل نہیں، یہ تواضع نہیں حقیقت ہے، مگر ایک بات ہمیشہ سے پیش نظر ہے جس کی ترجمانی اس شعر سے ہوتی ہے ؎

أحب الصالحين ولست منهم - لعل الله يرزقني صلاحاً

اس کے بعد سنئے پہلا نمبر مقدمۃ العلم کا ہے مقدمۃ العلم کے تحت دس باتیں بیان ہوں گی اس کے بعد مقدمۃ الکتاب کا نمبر آئے گا جس کے اندر چند باتیں بیان ہوں گی۔

مقدمۃ العلم:

مقدمۃ العلم کے تحت دس باتیں جو ہیں آپ اجمالاً انہیں محفوظ کرلیں تا کہ گڑیل فی النفس ہوجائے، اس لئے کہ تفصیل بعد الاجمال اوقع فی النفس ہوتی ہے: (۱) علم

حدیث کی تعریف (۲) موضوع (۳) غرض وغایت (۴) وجہ تسمیہ (۵) استمداد (۶) حکم شارع (۷) فضیلت (۸) مرتبہ ونسبت (۹) واضع (۱۰) تقسیم وتبویب۔

ان امور عشرہ میں سب سے پہلا نمبر تعریف کا ہے:

علم حدیث کی تعریف:

علم حدیث کی تعریف کے سلسلہ میں علماء محدثین کا شدید اختلاف ہے، پہلے وجہ اختلاف سنیئے پھر اقوال مختلفہ بیان کئے جائیں گے۔

تعریف میں اختلاف کی وجہ:

وجہ اختلاف یہ ہے کہ ابتداءً حدیث کی تالیف کا وہ انتظام نہیں تھا جو موجودہ زمانہ میں ہے بعد میں جب کچھ ذوق ہوا تو وہ قلمی حد تک محدود ہوکر رہ گیا، طلباء واساتذہ سے سن کر لکھتے اور وہ کتابی شکل بن جاتی، اس زمانہ کی طرح شروحات کی فراوانی نہ تھی اگر شرح سے متعلق یا حل کتاب سے متعلق کوئی بات ہوتی ہے تو اسے بین السطور یا حاشیہ پر لکھ دیتے، اس سے زائد اور کوئی چیز نہیں تھی، بعد میں جب علماء حدیث نے حدیث کو منقح اور مہذب کیا تو حدیث کے بہت سے علوم نکلے، اس لئے کہ تنقیح حدیث میں رجال پر تنقید کی ضرورت پڑی، علل کو بھی بیان کیا، صحیح وحسن ضعیف ومقطوع وغیرہ بیان کیا، اس طرح حدیث کے بہت سے اقسام ہوگئے۔

انواع علم حدیث کا تذکرہ:

چنانچہ امام حاکم ابو عبد اللہ النیسا پوری نے ''جو پانچویں صدی کے ہیں'' حدیث کے پچاس انواع ذکر کئے ہیں، علامہ ابن الصلاح جو ساتویں صدی کے ہیں انہوں نے مقدمہ ابن الصلاح میں علی ہذا امام نووی نے پینسٹھ (۶۵) انواع ذکر کئے ہیں، علامہ سیوطی نے ترانوے (۹۳) انواع ذکر کئے ہیں، علامہ حازمی نے رسالۃ العجالہ میں تقریباً سو (۱۰۰) انواع ذکر کئے ہیں فرماتے ہیں کہ علم حدیث کے سو (۱۰۰) انواع ہیں جن میں کسی کے تحت کوئی داخل نہیں ہے، الحاصل حدیث جو مقسم ہے اس کے سو انواع ہیں اس وجہ سے تعریفیں مختلف ہوگئیں، ہم ان تعریفات مختلفہ میں سے آٹھ تعریفیں نقل کرتے ہیں لیکن یہ بات ذہن نشیں رہے کہ یہاں مقصود روایتِ حدیث کی تعریف بیان کرنا ہے:

حافظ ابن حجر کی ذکر کردہ تعریف:

۱- شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ علم حدیث کی تعریف یہ کرتے ہیں: ''علم الحدیث هو علم يذكر فيه كل ما أضيف إلى النبي ﷺ أو إلى صحابي أو إلى من دونه قولاً أو فعلاً تقريراً أو صفةً'' یعنی علم حدیث ہر اس علم کو کہتے ہیں جس میں ہر اس چیز کو بیان کیا جائے جس کی نسبت حضور پاک ﷺ کی طرف کی گئی

ہو یا کسی صحابی کی طرف یا کسی اور یعنی تابعی کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہو خواہ قول ہو یا فعل، تقریر ہو یا صفت، اس تعریف میں قولاً أوفعلاً الی آخرہ کا تعلق ما اضیف الی النبی سے ہے، ان امور اربعہ میں سے قولاً وفعلاً کا مطلب واضح ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ قول کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا ہو اور کوئی صحابی اسے قال النبی ﷺ کہہ کر ذکر کرے، فعل کا مطلب یہ ہے کہ صحابی فعل النبی ﷺ کہہ کر ذکر کرے۔ البتہ تقریر اور صفت قابل تذکرہ ہیں، تقریر کا حاصل یہ ہے کہ کوئی کام آپ ﷺ کے سامنے کیا جائے اور آپ ﷺ نے اس کا معاینہ کیا ہو مگر انکار نہ کیا ہو، بہر حال نبی کے سامنے جو شارع کی حیثیت رکھتا ہے کسی کام کا ہونا اور اس کا انکار نہ کرنا یہ اس کام کی مشروعیت کی دلیل ہے، بہت سے کام ایسے ملیں گے جو آپ ﷺ کے سامنے کئے گئے وہ بھی حدیث میں داخل ہیں، صفت کا مطلب آپ ﷺ کی خصوصیات ہیں، یہ بھی حدیث کے تحت داخل ہیں، ان پر بھی حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔

علامہ عینی کی ذکر کردہ تعریف:

۲- علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں علم حدیث کی یہ تعریف کی ہے، جیسا کہ دوسرے علماء محققین نے بھی نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ''**ھو علم یعرف بہ أقوال رسول اللہ ﷺ وأفعالہ وأحوالہ**'' یعنی علم حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعہ آپ ﷺ کے اقوال وافعال واحوال کی معرفت حاصل ہو، یا یہ کہ علم حدیث آپ ﷺ

کے اقوال وافعال واحوال کے جاننے کا نام ہے۔

علامہ عینی کی ذکر کردہ تعریف پر اعتراض:

بہر حال علامہ عینیؒ کی اس تعریف کے مطابق صرف آپ ﷺ کے اقوال وافعال واحوال ہی آتے ہیں صحابہ کے اقوال یا ان کے افعال واحوال حدیث کی تعریف سے خارج ہو جاتے ہیں بایں وجہ اس تعریف پر اعتراض کیا گیا ہے کہ بہت سی وہ کتابیں جن میں آپ ﷺ کے اقوال نہیں ہیں یا کم ہیں یا مرفوع روایات کے ساتھ آثار صحابہ بھی ہیں اور انہیں حدیث کی کتاب کہتے ہیں جیسے مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق تو علامہ عینی کی تعریف کیسے صحیح ہو سکتی ہے، اس کا دو طرح سے جواب دیا گیا ہے:

اعتراض کا پہلا جواب:

(۱) جن کتابوں میں روایات مرفوعہ کے ساتھ آثار صحابہ بھی ہیں وہ اصالتاً نہیں ضمناً اور تبعاً ہیں، چونکہ صحابہ کرام کو آپ ﷺ سے ایک خاص نسبت حاصل ہے اور ان کے اندر صحابیت کی شان ہے، بایں وجہ کتب حدیث میں احادیثِ مرفوعہ کے ساتھ ان کے اقوال بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔

اعتراض کا دوسرا جواب:

(۲) صحابہ کے اقوال دو حال سے خالی نہیں مدرک بالقیاس ہوں گے یا غیر

مدرک بالقیاس، اگر غیر مدرک بالقیاس ہیں تو حدیث مرفوع کا درجہ رکھتے ہیں اور مدرک بالقیاس کو ہم روایات پر جانچیں گے تب کوئی حکم مرتب کریں گے۔

علم حدیث کی تیسری تعریف:

۳۔بعض حضرات علم حدیث کی تعریف کرتے ہیں کہ علم حدیث وہ علم ہے جس سے روایت کی شرح معلوم ہو۔

اس تعریف پر اعتراض:

مگر اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعریف درایت حدیث کی ہے اور ہم روایت حدیث کے درپے ہیں بایں وجہ یہ تعریف قابل قبول نہیں۔

علم حدیث کی چوتھی تعریف:

۴۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ علم حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعہ سنت کی کیفیت معلوم ہو جائے۔

چوتھی تعریف پر اعتراض:

مگر یہ بھی مخدوش ہے اس لئے کہ ہمارا مقصود روایتِ حدیث کی تعریف کرنا ہے، اور یہ علل حدیث کی تعریف ہے، جو بہت سے محدثین کا مشغلہ ہے، خصوصیت

سے امام ترمذیؒ کا محبوب مشغلہ ہے۔

علم حدیث کی پانچویں تعریف:

۵-علم حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعہ عربی الفاظ کے معانی معلوم ہوں اور وہ معانی قواعد عربیہ کے مطابق ہوں۔

علامہ کرمانی کی ذکر کردہ تعریف:

۶-علم حدیث کی تعریف یہ ہے: "**هو علم يعرف به أقوال رسول الله ﷺ وأفعاله وأحواله**" علم حدیث وہ علم ہے جس سے آپ ﷺ کے اقوال وافعال واحوال کی معرفت ہو، اس کے قائل علامہ کرمانی ہیں، بہت سے محدثین نے اس کو ان کے حوالہ سے لکھا ہے، علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں بھی اسے ذکر کیا ہے، یہ تعریف اور علامہ عینی کی تعریف برابر ہے اس پر بھی وہی اعتراض ہے جو ان کی تعریف پر ہے دونوں کا جواب بھی ایک ہے۔

شیخ عزالدین اور علامہ زرقانی کی ذکر کردہ تعریف:

۷-شیخ عزالدین بن جماعہ اور علامہ زرقانی نے شرح بیقونیہ میں علم حدیث کی یہ تعریف بیان کی ہے: "**علم الحديث هو علم بقوانين أى قواعد يعرف بها أحوال سند ومتن من صحة وحسن**"، یعنی علم حدیث ایسے قوانین کے

جاننے کا نام ہے جن کے ذریعہ سند و متن کا حال معلوم ہو جائے صحت و حسن کے اعتبار سے یعنی کون سی سند صحیح ہے اور کون سی حسن ہے اور کون متن صحیح ہے اور کون حسن ہے۔

علامہ سیوطی کا میلان:

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا میلان اسی طرف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ انہوں نے الفیہ میں اشعار نقل کئے ہیں ان میں سے دو یہ ہیں:

علم الحدیث ذو قوانین تحد - یدری بها أحوال متن وسند

اس شعر میں علامہ سیوطیؒ نے تعریف کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس سے بھی وہی تعریف معلوم ہوتی ہے جس کے قائل علامہ زرقانی اور عز الدین ابن جماعہ ہیں، دوسرا شعر یہ ہے ؎

فذلک الموضوع والمقصود - أن یعرف بها المقبول والمردود

اس میں موضوع کی طرف اشارہ ہے۔

اس تعریف پر اعتراض:

لیکن اس تعریف پر بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعریف اس حدیث کی نہیں جس کے ہم درپے ہیں یعنی روایت حدیث بلکہ یہ اصول حدیث کی تعریف ہے جو آپ نخبہ میں پڑھ چکے ہیں، اور ہمارا مقصود روایت حدیث کی تعریف کرنا ہے۔

حضرت شیخ کی پسندیدہ تعریف:

۸-"علم الحديث هو علم يبحث فيه عن أقوال رسول الله ﷺ وأفعاله وأحواله من حيث كيفية السند اتصالاً وانقطاعاً" یعنی علم حدیث وہ علم ہے جس میں آپ ﷺ کے اقوال وافعال واحوال سے اس حیثیت سے بحث کی جائے کہ کون سی سند متصل ہے اور کون سی سند منقطع، اس تعریف کو حضرت شیخ نے الاوجہ عندی کہہ کر ذکر کیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا: "ثم ظهر لي ان الاوجه في حده علم يعرف به أحواله ﷺ قولاً أو فعلاً أو تقريراً أو صفة" یعنی بعد میں میرے سامنے یہ بات ظاہر ہوئی۔

حضرت شیخ کی زیادہ پسندیدہ تعریف:

کہ زیادہ عمدہ تعریف یہ ہے کہ علم حدیث اس علم کو کہتے ہیں جس سے آپ ﷺ کے اقوال اور افعال تقریر وصفت کی معرفت ہو، علم حدیث کی تعریف میں یہ آٹھ اقوال تھے جو مکمل ہو گئے۔

(۲) موضوع:

علم حدیث کے موضوع کے بارے میں تین قول ہیں:

علامہ کرمانی کا ذکر کردہ موضوع:

(۱)"موضوع علم الحديث ذات النبیﷺ من حيث أنه رسول اللهﷺ" اس کے قائل علامہ کرمانی ہیں جیسا کہ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں اسے علامہ کرمانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور دوسروں نے بھی بحوالہ کرمانی اسے نقل کیا ہے۔

علامہ کافیجی کا اظہار تعجب:

لیکن علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں اس کو نقل کرنے کے بعد اپنے شیخ کا تعجب بھی نقل کیا ہے:"ولم يزل شيخنا العلامة محی الدين الكافيجی يتعجب من قوله أن موضوع علم الحديث ذات رسول اللهﷺ ويقول هذا موضوع الطب لا موضوع الحديث".

حضرت شیخ اور صاحب تحفہ کا جواب:

لیکن حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اور صاحب تحفہ نے علامہ محی الدین کافیجی کے تعجب پر خود تعجب کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ "أنا أتعجب كيف التبس عليه ذلك بالطب لأنه لم يقل الكرمانی أن موضوع علم الحديث ذات رسول اللهﷺ من حيث الصحة والمرض بل قال موضوع علم الحديث ذات رسول اللهﷺ من حيث أنه رسول اللهﷺ فبعد

تقییده بهذه الحیثیة کیف یکون ذاته ﷺ موضوع الطب" یعنی کیسے انہیں التباس ہوگیا موضوع علم طب اور موضوع علم حدیث میں، حالانکہ علامہ کرمانی نے ذات رسول ہی کو موضوع نہیں کہا ہے بلکہ من حیث أنہ رسول اللہ ﷺ بھی کہا ہے من حیث انہ انسان موضوع علم حدیث نہیں قرار دیا ہے، نیز علامہ سیوطی پر تعجب ہے کہ کیسے اسے نقل کر کے خاموش رہ گئے اور تبصرہ نہیں کیا، لیکن خادم کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اپنے شیخ کا تعجب نقل کر کے ممکن ہے ادباً اس پر تبصرہ نہ کیا ہو۔

موضوع کے بارہ میں دوسرا قول:

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ "وموضوعه ذات النبی ﷺ من حیث أقواله وأفعاله وأحواله، من حیث أقواله وأفعاله وأحواله" کی قید ایسی ہے جیسے "من حیث أنه رسول الله ﷺ"۔

(۳) "وموضوعه المرویات والروایات من حیث الاتصال والانقطاع" یہ موضوع حضرت شیخ کے یہاں راجح ہے۔

(۳) غرض وغایت:

اس میں ہم چھ (۶) اقوال ذکر کریں گے:

غرض وغایت دعاؤں کی تحصیل ہے:

۱- علم حدیث کی غرض وغایت ان دعاؤں کی تحصیل ہے جو آپ ﷺ سے

حدیث کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کے بارے میں منقول ہیں، چنانچہ آپ نے بہت سی ایسی روایات پڑھی ہوں گی جس میں آپ ﷺ نے حدیث کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کے بارے میں خاص دعا کی ہے، ہم دو روایت ذکر کرتے ہیں اس کے علاوہ آپ بخاری اور ترمذی اور بقیہ صحاح ستہ کی کتاب العلم میں پڑھیں گے۔

اے اللہ ہمارے خلفاء پر رحم فرما:

(۱) امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں بروایت عبداللہ بن عباسؓ یہ حدیث نقل کی ہے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَللّٰھُمَّ اِرْحَمْ خُلَفَائِیْ قُلْنَا مَنْ خُلَفَاءُ کَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الَّذِیْنَ یَرْوُوْنَ أَحَادِیْثِیْ وَیُعَلِّمُوْنَھَا النَّاسَ" یعنی آپ ﷺ نے ایک مرتبہ دعا کی، یا اللہ ہمارے خلفاء پر رحم کر عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا میرے خلفاء وہ ہیں جو میری حدیث نقل کرتے ہیں اور دوسروں کو سکھاتے ہیں، اس میں ناشرین حدیث کے لئے بہت بڑی دعا ہے آپ ﷺ کی زبان سے بڑھ کر کس کی زبان ہوسکتی ہے، آپ ﷺ نے ایسوں کو اپنا خلیفہ قرار دیا ہے، حدیث کے رواۃ اور معلمین قابل مبارکباد ہیں۔

شادابی کی دعاء:

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں: "قال رسول اللہ ﷺ نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا وأداھا کما

سمعھا'' یہ حدیث بھی مشتغلین بالحدیث کے لئے قابل صد افتخار ہے کہ ان کی شادابی کی دعا خود حضور پاک ﷺ نے فرمائی ہے، البتہ حضرات محدثین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ جملہ انشائیہ ہے یا خبریہ، بعض حضرات کہتے ہیں کہ انشائیہ ہے اس وقت کوئی اعتراض نہیں کہ آپ ﷺ نے معلمین حدیث کو دعا دی ہے، دوسرا قول جملہ خبریہ کا بھی ہے۔

اس حدیث پر اشکال:

اس وقت ظاہر بیں حضرات کو اشکال ہے کہ وہ سارے حضرات جن کا مشغلہ حدیث کا پڑھنا اور پڑھانا ہے ان کو ہمیشہ مطمئن اور خوش وخرم وشاداب رہنا چاہئے انہیں چین وسکون حاصل ہونا چاہئے؟ حالانکہ بہت سے ایسے لوگ جن کا یہ مشغلہ علم حدیث ہے ہم انہیں انتہائی پریشان دیکھتے ہیں۔

اشکال کا جواب:

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ چیز ظاہر بیں حضرات کے لئے اگرچہ قابل اشکال ہو، مگر حقیقت شناسوں کے لئے یہ چیز باعث اشکال نہیں، اس لئے کہ جو لوگ حدیث کی خدمت میں مشغول ہیں، ان کو اگرچہ ظاہری اعتبار سے کچھ لوگ پریشان اور غیر مطمئن دیکھیں، مگر وہ قلبی طور پر انتہائی مطمئن ہوتے ہیں اور انہیں چین وسکون رہتا ہے، اسی وجہ سے اچھے اچھے دنیادار و مالدار ان کی جوتی سیدھی کرنا اپنی سعادت

سمجھتے ہیں، الحاصل حقیقت شناسوں کے لئے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے، چنانچہ بہت سے واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے، جس سے یہ بات بالکل بے غبار ہوجاتی ہے، لیکن خادم کے نزدیک اس کا انشاء ہونا راجح ہے اس لئے کہ یہ جملہ دعائیہ ہے "نضّر الله امرأ" اوردعاء ازقبیل انشاء ہے، بہرحال انہیں دعاؤں کی تحصیل جوان جیسی روایات سے معلوم ہوتی ہیں علم حدیث کا مقصد وثمرہ ہے۔

غرض وغایت توضیح قرآن ہے:

۲-علم حدیث کی غرض وغایت تبیینِ قرآن وتوضیح قرآن ہے،اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خداوند قدوس نے جس طرح سے انسانوں کو پیدا کیا اسی طرح ان کی ہدایت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی جس میں پوری زندگی کے سارے مسائل کم وبیش بیان کردیئے گئے، اوراس کی تشریح وتفصیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کی گئی، مثلاً قرآن کا حکم ہے "أقیموا الصلاة" مگر ہم کیسے نماز قائم کریں، کیسے رکوع وسجدہ کریں یہ ساری تفاصیل قرآن میں نہیں ہیں، اس کی تفصیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی شرح قرآن میں گذاردی اور ہر بات وضاحت سے بیان کردیا، چنانچہ نماز ہی کا مسئلہ لیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر صحابہ کو دکھلا دیا اور قولاً بھی فرمایا "صلوا کما رأیتمونی أصلی" بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ شرح قرآن ہے، قرآن بغیر حدیث کے سمجھنا مشکل ہے۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی کا ارشاد:

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ کے اقوال وافعال واحوال نہ ہوتے تو ہم قرآن کا ایک حکم بھی نہیں سمجھ سکتے تھے، ایک آیت بھی نہ سمجھ سکتے، بہر حال حدیث اس قرآن کے اجمال کی تفصیل ہے اس لئے کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو حکم دیا تھا، "إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْکَ الْقُرْآنَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ" کہ ہم نے آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا ہے تا کہ آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں، چنانچہ آپ ﷺ نے انتہائی وضاحت کے ساتھ ہر حکم بیان کیا، اسی کی تفصیل اور شرح حدیث پاک ہے، اور یہی شرح قرآن علم حدیث کے پڑھنے اور پڑھانے کا مقصد ہے۔

غرض وغایت الفوز بسعادۃ الدارین ہے:

۳- علم حدیث کی غرض وغایت الفوز بسعادۃ الدارین ہے، اس کے قائل علامہ کرمانی ہیں، جیسا کہ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں اور دیگر محدثین نے اپنے موقع پر ذکر کیا ہے، لیکن یہ غرض مجمل ہے سارے ہی علوم میں تقریباً علماء اسے بیان کرتے ہیں۔

غرض وغایت شان صحابیت کا پیدا ہونا ہے:

۴- بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ علم حدیث کی غرض وغایت یہ ہے کہ

پڑھنے اور پڑھانے والوں میں صحابیت کی شان پیدا ہو جائے، اس کی تائید اس شعر سے ہوتی ہے ؎

أهل الحديث هم أهل النبی وإن - لم يصحبوا نفسه أنفاسه صحبوا

یعنی اہل حدیث اگرچہ جسمانی طور پر اصحاب نبی نہیں ہیں، مگر باطنی حیثیت سے وہ اصحاب نبی کے ہم پلّہ ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ارشاد:

شاہ ولی اللہ صاحبؒ جب سارے علوم وفنون اور سلوک ومعرفت کے مراحل طے کر کے فارغ ہوئے تو حرمین شریفین تشریف لے گئے، مدینہ طیبہ قیام کے زمانہ میں بار بار روضۂ اقدس پر مراقب ہوئے، اس مراقبہ میں بہت سے مبشرات نظر آئے، ایک مرتبہ دیکھا کہ آپ ﷺ کے قلب اطہر سے انوار کے خطوط یعنی دھاگے نکل رہے ہیں اور ان کا تعلق ہر اس شخص سے ہے جس کا مشغلہ حدیث کا پڑھنا اور پڑھانا ہے، چنانچہ حرمین کے ان جیسے فیوض کو شاہ صاحب نے فیوض الحرمین میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اے میری اس کتاب کو پڑھنے والو! میری وصیت ہے کہ حدیث کے پڑھنے اور پڑھانے کو نہ چھوڑنا اور اپنے اوقات اسی میں صرف کرنا، چونکہ شاہ صاحبؒ نے اس نور کا مشاہدہ کیا اس لئے وصیت فرمائی، الحاصل مقصدِ تحدیث صحابیت کی شان پیدا کرنا ہے۔

غرض وغایت حضور کی اتباع کی کیفیت جاننا ہے:

۵-علم حدیث کے پڑھنے اور پڑھانے کا مقصد یہ ہے کہ اس سے آپ ﷺ کی اتباع کی کیفیت معلوم ہوجائے کہ ہم زندگی کے ابواب میں کس جگہ پر کس طرح قدم اٹھائیں، ہمارے فخر رسل آقا نے اس کام کو کیسے انجام دیا، بہرحال اتباع کی کیفیت معلوم کرنا یہ علم حدیث کی غایت ہے، اس کے قائل مولانا امیر احمد صاحب سابق استاذ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ہیں۔

حضرت شیخ کی رائے:

٦-حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ علم حدیث کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ یہ ہمارے محبوب کا کلام ہے، اور اس میں آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا خلاصہ ہے، اور ہم میں ہر فرد آپ ﷺ کی محبت کا مدعی ہے، محبّ کو محبوب کی ہر چیز سے لگاؤ ہوتا ہے، اور چاہتا ہے کہ اپنا سب کچھ اس پر فدا کردے، جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے ؂

امر علی الدیار دیار لیلی - اقبل ذا الجدار وذا الجدار
وما حب الدیار شغفن قلبی - ولکن حب من سکن الدیار

محبت کے سامنے دنیا ومافیہا سب ہیچ ہے اگر اس کا تعلق خدا ورسول سے

ہو جائے تو کیا خوب ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ:

ایک بزرگ کا حال تھا کہ ان کو زخم ہوا، آپریشن کی ضرورت ہوئی، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس کا آپریشن بیہوش کر کے ہوگا، انہوں نے فرمایا کہ ہوش کے ساتھ بھی آپریشن ہوسکتا ہے، بیہوش کرنے کی ضرورت نہیں، احباب آپریشن کے کمرہ میں لے گئے، انہوں نے کہا اپنا کام شروع کرو ڈاکٹر نے آپریشن شروع کیا وہ بالکل صحیح بیٹھے رہے، حرکت بھی نہ کیا، سارے احباب دم بخود تھے، آپریشن کے بعد احباب نے پوچھا کہ حضرت یہ کیسے ہوا، انہوں نے کہا کہ جب تم نے ہمیں لٹایا، میں اپنے محبوب کی طرف یعنی خدا کی طرف ایسا متوجہ ہوا کہ کسی چیز کا احساس ہی نہیں ہوا (یہ واقعہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ الہ آبادی نے بیان کیا جو معرفت حق میں شائع ہوا تھا)۔الحاصل اس سے محبت کی کیفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایک دوسرا واقعہ:

اسی طرح ایک صاحب کی پکڑ کر لوگوں نے پٹائی شروع کی مگر اف تک نہ کیا، بہت دیر کے بعد جب ایک کوڑا لگا تو بہت زور سے چیخے، لوگوں نے کہا کہ بہت دیر سے پٹائی ہو رہی تھی مگر تم بالکل خاموش رہے اور آخر میں ایک کوڑا لگا تو چیخ اٹھے، کیا ماجرا ہے؟ اس نے کہا کہ اخیر تک میرا محبوب کھڑا تھا میں اس کی زیارت کر رہا تھا، اخیر

کوڑے میں وہ چلا گیا، تب مجھے کوڑے کا احساس ہوا (یہ واقعہ بھی معرفت حق میں موجود ہے)۔ جب کسی محبوب کا خط آتا ہے آدمی بے قابو ہو جاتا ہے، سارا کام چھوڑ کر اسے پڑھتا ہے چومتا ہے آنکھ سے لگاتا ہے، جب دنیائے دنی کے محبوب کے ساتھ یہ معاملہ ہے، تو آخر امام الانبیاء ومحسن عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا لگاؤ ہونا چاہئے، اور اس کتاب سے جس میں ان کے احوال ہوں کیسا برتاؤ ہونا چاہئے۔ الحاصل حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی آخری رائے یہ ہے کہ یہ ہمارے محبوب کا حال ہے، اور اس میں ان کے اقوال ہیں، غرض وغایت کے چھ اقوال مکمل ہوئے۔

خادم کی رائے:

خادم کے نزدیک اقوال ستہ میں راجح اخیر کے دونوں قول ہیں، اخیر میں سنئے کہ:

حضرت شیخ کا ارشاد:

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ علم حدیث کی تعریف کا حاصل تدبر ہے، موضوع کا حاصل عظمت ہے، غرض وغایت کا حاصل لذت ہے، اگر ہم شرائط کے ساتھ پڑھیں گے تو لذت ملے گی، یعنی تدبر وعظمت اگر یہ دونوں ہوئے تو لذت ملے گی، خدا ہمیں لذت حدیث سے آشنا کردے۔

(۴) وجہ تسمیہ:

وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں حضرات محدثین کے تین قول ہیں:

حافظ ابن حجر کی رائے:

۱- حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں جسے دوسرے حضرات نے بھی نقل کیا ہے، "الحدیث فی عرف الشرع ما أضیف إلی النبی ﷺ قولاً أو فعلاً تقریراً أو صفة کأنه أرید به مقابلة القران لأنه قدیم"، یعنی اصطلاح شرع میں حدیث ان باتوں کو کہتے ہیں جن کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی گئی ہو قول ہو یا فعل، تقریر ہو یا صفت، گویا کہ حافظ ابن حجرؒ نے حدیث کا قرآن سے مقابلہ کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حدیث کو حدیث اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ حادث ہے۔

کلام کی دو قسمیں ہیں:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کلام دراصل دو ہیں: (۱) کلام الٰہی، (۲) کلام رسول۔ کلام الٰہی چونکہ خداوند قدوس کی صفت ہے اور خدا کی ذات قدیم ہے لہذا اس کی یہ صفت بھی قدیم ہے، اس لئے کہ ضابطہ ہے کہ قدیم سے جو صادر ہو وہ قدیم ہوتا

ہے، بایں وجہ قرآن کو قدیم کہتے ہیں، اور وہ قدیم ہے، اس کے مقابلہ میں کلام رسول حادث ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ حادث ہیں، اور حادث کی صفت حادث ہوتی ہے، اس لئے کہ ضابطہ ہے کہ حادث سے حادث ہی صادر ہوتا ہے، بایں وجہ کلامِ رسول یعنی حدیث کو کلام الٰہی یعنی قرآن کے مقابلہ میں حادث کہا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام:

الحاصل حدیث یہ حادث کے معنی میں ہے، حادث کے معنی میں ہونے کی وجہ سے اسے حدیث کہتے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اب اشکال یہ ہے کہ اصول شریعت چار ہیں، قرآن، حدیث، اجماع، قیاس۔ اور اس تقریر مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل شریعت صرف دو ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصل الاصول سے خارج نہیں، اس لئے کہ اصول شریعت دراصل دو ہی ہیں، قرآن اور حدیث، بقیہ اجماع وقیاس اسی سے نکلے ہیں، اس لئے کہ اجماع وقیاس کا داعی بھی حدیث وقرآن ہے، اور فقہ قرآن وحدیث واجماع سے مستنبط ہے۔

امام بخاری کا ملفوظ:

بایں وجہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ''إن ثواب الفقيه ليس بأقل من

ثواب المحدث"۔

علامہ سیوطی کی رائے:

۲-علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں نقل کیا ہے، جس کو دوسرے حضرات نے بھی ان کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:"الحدیث ضده القديم ويستعمل فی قليل الخبر و كثيره لأنه يحدث شيئاً فشيئاً" یعنی حدیث یہ قدیم کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، گویا کہ حدیث حادث کے معنی میں ہے، جس کا اطلاق خبر پر ہوتا ہے، اگرچہ بعض محدثین نے حدیث اور خبر میں فرق کیا ہے کہ حدیث آپ ﷺ کی اخبار کو کہتے ہیں، اور خبر کا اطلاق دوسروں کی اخبار پر ہوتا ہے، اور چونکہ خبر کا حدوث شیئاً فشیئاً ہوتا ہے، بایں وجہ اسے حادث کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ الحاصل حدیث حادث کے معنی میں ہے، اور حدیث کو حدیث اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ حادث ہے، یہ بات بھی حافظ ابن حجرؒ کی بات کے قریب ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کی رائے:

۳-علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی ایک مستقل رائے اس سلسلہ میں ہے اور وہ ان دونوں اقوال پر راجح ہے، وہ فرماتے ہیں کہ خداوند قدوس نے آپ ﷺ پر بہت سے احسانات کئے، جن میں سے چند کا تذکرہ سورہ والضحیٰ میں ہے (۱)"أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ" یعنی اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو یتیم پایا پھر آپ ﷺ کے لئے ٹھکانا

بنادیا،(۲)"وَوَجَدَکَ ضَالاً فَهَدٰی" یعنی خدانے آپ ﷺ کو علوم نبوت وشریعت سے ناواقف پایا، پھر آپ ﷺ کو واقف وآشنا بنادیا،(۳)"وَوَجَدَکَ عَائِلاً فَأَغْنٰی" یعنی آپ ﷺ کو تنگدست پایا اس نے آپ کو غنی بنادیا، اس کے بعد اللہ رب العزت نے لف ونشر غیر مرتب کے طور پر ان سارے انعامات کے شکر کی طرف آپ ﷺ کو متوجہ کیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:"فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ"، یہ"اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوٰی" کے مقابلہ میں ہے، یعنی آپ ﷺ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیجئے،"وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ" یہ"وَوَجَدَکَ عَائِلاً فَأَغْنٰی" کے مقابلہ میں ہے، یعنی سائلوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیجئے،"وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ"، "وَوَجَدَکَ ضَالاً فَهَدٰی" کے مقابلہ میں ہے، یعنی جو علوم ومعارف خدا نے آپ ﷺ کو دیئے ہیں اس کا دوسروں سے تذکرہ کیجئے اور بیان کیجئے، آپ ﷺ کے اوپر ہونے والے انعامات وعطا شدہ علوم ومعارف کا تذکرہ وبیان یہ تحدیث ہے اور علوم ومعارف وانعامات یہ حدیث ہیں، اور حدیث کو حدیث اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تحدیث بالنعمہ کے طور پر جو علوم ومعارف بیان کئے ہیں ان کا ذکر وبیان ہوتا ہے، حاصل یہ ہے کہ حدیث"وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ" سے ماخوذ ہے، یہ بات بڑی دقیق ووقیع وقابل قدر ہے، خدا ان کو جزائے خیر دے، اور ان کی قبر کو منور کردے۔

(۵) استمداد:

مبادیات عشرہ میں پانچواں نمبر استمداد کا ہے۔

استمداد کا مطلب:

صاحب ردالمحتار علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ استمداد کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیزیں جن سے اس فن میں مدد لی گئی ہیں، حدیث میں استمداد کا حاصل یہ ہے کہ وہ علوم وفنون جن سے نفس علم حدیث میں مدد لی گئی ہے، بیان کئے جائیں، استمداد کے سلسلہ میں علماء ومحدثین کے دو قول ہیں۔

علامہ سیوطی کی رائے:

علامہ سیوطی لقط الدرر میں فرماتے ہیں کہ علم حدیث میں آپ ﷺ کے اقوال غائبانہ وحاضرانہ اور آپ ﷺ کی تقریرات وصفات سے مدد لی گئی ہے۔

حضرت مولانا محمد اعلی صاحب تھانوی کی رائے:

حضرت مولانا محمد اعلی صاحب تھانوی صاحب کشاف اصطلاحات الفنون کی رائے یہ ہے کہ وہ ساری چیزیں جو فہم حدیث کے لئے ضروری ہیں، وہ سارے علوم وفنون استمداد کے تحت داخل ہیں یعنی علم نحو وصرف وعلم معانی وعلم بیان وعلم بدیع وعلم

لغت وغیر ذلک۔

(۶) حکم شارع:

یہ مبادیات عشرہ میں چھٹا نمبر ہے۔

حکم شارع کا مطلب:

حکم شارع کا حاصل یہ ہے کہ علم حدیث کا پڑھنا اور پڑھانا شرعاً فرض ہے یا واجب، سنت ہے یا مستحب، اس کے بارے میں

حضرات علماء کی رائے:

حضرات علماء کرام یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شہر یا علاقہ میں ایک ہی مسلمان ہو تو اس شخص پر حدیث کو حاصل کرنا اور پڑھنا فرض عین ہے، اور اگر کسی علاقہ یا شہر میں بہت سے مسلمانوں میں سے کسی ایک نے اسے حاصل کرلیا تو سب کی طرف سے فرضیت ساقط ہوجائے گی اور اگر کسی نے حاصل نہ کیا تو سب گنہگار رہوں گے، اسی طرح فقہ ہے کہ اگر ایک مسلمان ہو تو اس کا سیکھنا فرض عین ہے، اور اگر بہت سے مسلمان ہوں تو ان کا سیکھنا فرض کفایہ ہے، جیسا کہ اعتکاف فرض کفایہ ہے، محلّہ کے ایک آدمی نے اگر اعتکاف کرلیا تو سب کی طرف سے فرضیت ساقط ہوجائے گی، ورنہ سب گنہگار رہوں گے۔

حضرت سفیان ثوری کا ارشاد:

سفیان ثوری کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے، فرماتے ہیں:"إنی لا أعلم علماً أفضل من علم الحدیث لمن أراد به وجه الله تعالی لأن الناس یحتاجون إلیه حتی فی طعامهم وشرابهم وإنه فرض کفایة وهو أفضل من التطوع بالصلوة والصیام"۔

(۷) فضیلت:

علم حدیث کے مبادیات میں ساتواں نمبر فضیلت کا ہے، علم حدیث کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کی منقبت میں بہت سی احادیث وارد ہیں، بہت سے محدثین نے ان روایات کو نقل کیا ہے، صاحب مشکوۃ نے کچھ روایات نقل کی ہیں جسے آپ پڑھ چکے ہیں، اسی طرح بخاری، ترمذی اور دیگر کتب حدیث کی کتاب العلم میں آپ پڑھیں گے، علامہ منذری نے بہت سی احادیث الترغیب والترہیب میں ذکر کی ہیں۔

فضیلت سے متعلق پہلی حدیث:

دو روایت یعنی حدیث عبداللہ بن مسعود "نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِی فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا" اور بعض حضرات محدثین نے اسی روایت کو حضرت ابوسعید خدریؓ کے حوالہ سے بھی نقل کیا ہے، البتہ الفاظ کا تفاوت ہے،

ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں ایک جملہ کی زیادتی ہے "رب حال فقه غير فقيه" یہ بتا چکا ہوں کہ یہ جملہ انشائیہ ہے یا جملہ خبریہ۔

دوسری حدیث:

۲- حدیث عبداللہ بن عباسؓ جسے غرض وغایت کے تحت ذکر کر چکا ہوں، "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اِرْحَمْ خُلَفَائِیْ قُلْنَا مَنْ خُلَفَاءُ کَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِیْنَ یَرْوُوْنَ أَحَادِیْثِیْ وَیُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ" اس روایت سے بھی حدیث اور اصحاب حدیث کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

تیسری حدیث:

۳-حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں، "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَوْلَى النَّاسَ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ أَکْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلٰوةٌ" یعنی قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوں گے جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجنے والے ہیں اور مسلمات میں سے ہے کہ حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں سے زیادہ آپ ﷺ پر کوئی درود بھیجنے والا نہیں ہے، بایں وجہ بہت سے محدثین نے تصریح کی ہے کہ اس روایت سے ان حضرات کی فضیلت معلوم ہوتی ہے جو حدیث کے پڑھنے اور پڑھانے میں مشغول ہیں، اور اس میں ان کی فضیلت کا بیان ہے۔

ابن حبان کا ارشاد:

ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ اس خصوصیت کے حامل وہی ہیں جو حدیث کی نشر واشاعت اوراس کے پڑھنے اور پڑھانے میں مشغول ہیں، "**إذ لیس فی ھذہ الأمة أکثرھم علیه صلوۃ ﷺ**"۔

ابو نعیم اصفہانی کی رائے:

ابو نعیم اصفہانی حلیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جسے دوسروں نے بھی نقل کیا ہے کہ اس فضیلت اور منقبت کے حامل مشتغلین بعلم الحدیث ہی ہیں اور یہ فضیلت رواۃ حدیث اور ناقلین حدیث کے ساتھ خاص ہے، "**ھذہ منقبة عظیمة یختص بھا رواۃ الحدیث ونقلتھا**"۔

ابن عساکر کا ارشاد:

ابوایمن بن عساکر فرماتے ہیں کہ وہ حضرات جو علم حدیث کی خدمت میں مشغول ہیں (خواہ وہ کسی نوع کی خدمت ہو) وہ قابل مبارکباد ہیں، "**لأن اللہ تبارک وتعالی أتم علیھم نعمه بھذہ الفضیلة الکبری**" اسلئے کہ اللہ رب العزت نے اس فضیلت کبری کے ذریعہ علماء پر اپنی نعمت کا اتمام فرمایا ہے۔

حضرت سفیان ثوری کا ارشاد:

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں جیسا کہ ابھی نقل کر چکا ہوں: "إنی لا أعلم علماً أفضل من علم الحديث إن أريد به وجه الله تعالى لأن الناس يحتاجون إليه حتى في طعامهم وشرابهم وهو فرض كفاية وهو أفضل من التطوع بالصلوة والصيام"۔ علم حدیث سب سے افضل ہے کہ سب لوگ اس کے محتاج ہیں، اور جس شخص کو آپ ﷺ سے محبت ہوگی وہ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، حتی کہ کھانے پینے تک میں لوگ اس کے محتاج ہیں اور اس میں دو رائے نہیں کہ مطابق سنت جو کام کیا جائے اس کی افضلیت میں کوئی شبہ نہیں، بعض اکابرین کا مقولہ ہے کہ مطابق سنت پاخانہ و پیشاب وغیرہ نفلی نماز سے افضل ہے اسی طرح سفیان ثوری کے یہاں نفل پڑھنے والے سے زیادہ مشتغل علم حدیث افضل ہے، اس کے علاوہ فضیلت اگر آپ تلاش کرنا چاہیں تو مل جائے گی۔

(۸) مرتبہ و نسبت:

یعنی علم حدیث کا مرتبہ کیا ہے، علم حدیث کے مرتبہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) باعتبار شرافت، (۲) باعتبار درس و تدریس۔

شرافت کے اعتبار سے علم حدیث دوسرے نمبر پر ہے:

مرتبۂ علم حدیث باعتبار شرافت کے بارے میں ہمارے اکابرین کی رائے

یہ ہے کہ یہ دوسرے نمبر پر ہے، اور پہلے نمبر پر علم تفسیر ہے، علم تفسیر کے تقدم رتبی کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کلام الہی کی توضیح ہوتی ہے، اور کلامِ الٰہی کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ہو کلام الملوک، اور کلام الملوک کے بارے میں ضابطہ مشہور ہے کہ کلام الملوک ملوک الکلام بایں وجہ علم تفسیر علم حدیث پر شرافتاً مقدم ہے۔

دوسرے نمبر پر ہونے کی دوسری وجہ:

دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ قرآن وحدیث میں قرآن کا درجہ متن کا ہے اور حدیث کا درجہ شرح کا ہے، اورر متن وشرح میں متن مرتبہ کے اعتبار سے اعلی وارفع ہوتا ہے، بایں وجہ علم تفسیر شرافت کے اعتبار سے مقدم ہے اور علم حدیث مؤخر

(۲) باعتبار تدریس، علم حدیث درس وتدریس کے اعتبار سے سب سے آخری درجہ میں ہے اور سارے علوم وفنون اس پر مقدم ہیں، جیسا کہ اس کا مشاہدہ ہے کہ سارے علوم وفنون پڑھانے کے بعد حدیث شریف پڑھاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ علم حدیث کے لئے دیگر تمام علوم وفنون کی حیثیت آلہ کی ہے، اور علم حدیث ذی آلہ ہے، اور آلہ ذی آلہ پر مقدم ہوتا ہے، بایں وجہ علم حدیث کو درس وتدریس کے اعتبار سے سب سے اخیر میں رکھا گیا ہے۔

(۹) واضع:

مبادیات عشرہ میں نواں نمبر واضع کا ہے، اس عنوان کا حاصل یہ ہے کہ علم

حدیث کے مدون اول کون ہیں، تدوین حدیث کا کام سب سے پہلے کس نے انجام دیا ہے، اس مضمون کو بعض حضرات واضع کے عنوان کے تحت ذکر کرتے ہیں اور بعض حضرات اسی کو تدوین حدیث اور مدون حدیث کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں، اور بعض اس کی تعبیر موجد سے اور بعض حضرات مولف سے کرتے ہیں، الحاصل واضع اور موجد اور مدون اور مؤلف ان چاروں کا حاصل ایک ہی ہے۔

مؤلف کی دو قسمیں ہیں:

اس کے بعد سنئے مؤلف کی دو قسمیں ہیں (۱) مؤلف کتاب، (۲) مؤلف فن۔ مؤلف کتاب کے سلسلہ میں گفتگو انشاء اللہ مقدمۃ الکتاب کے تحت آئے گی، یہاں مؤلف فن کو سنئے۔

علم حدیث کے مدون اول کے بارے میں اختلاف ہے، دو قول ہیں

مدون اول ابن شہاب زہری ہیں:

(۱) علم حدیث کے مدون اول یا مؤلف اول یا موجد اول یا واضع اول ابن شہاب زہری ہیں، ابن شہاب زہری ان کا نام محمد بن مسلم ہے، یعنی نام محمد ہے والد کا نام مسلم ہے اور ان کے دادا کے دادا کا نام شہاب ہے، اور ان کے جد اعلی زہری ہیں، سلسلۂ نسب یوں ہے محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ بن

حارث بن زہرہ، لیکن یہ ابن شہاب کے ساتھ مشہور ہیں، بعض حضرات انہیں محمد بن مسلم کے ساتھ یاد کرتے ہیں، اور بعض حضرات انہیں ابن شہاب زہری کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اور بعض ابن شہاب کے ساتھ یاد کرتے ہیں، اور بعض صرف زہری سے یاد کرتے ہیں، ان چاروں سے مراد رجل واحد ہیں، افراد کثیرہ نہیں، لہذا اگر محمد بن مسلم یا ابن شہاب زہری یا ابن شہاب یا زہری کا نام کہیں آئے تو اس سے مراد یہی ابن شہاب زہری ہوں گے ان کا انتقال ۱۲۵ھ میں ہوا ہے، انہیں کے بارے میں اکثر حضرات محدثین یہ فرماتے ہیں کہ مدون اول ہیں۔

حافظ ابن حجر کی رائے:

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اسی پر جزم کیا ہے، ''**وبه جزم الحافظ لأنه قال فی شرح الحدیث الذی ذکر الإمام البخاری فی کتابة الحدیث أول من دون الحدیث ابن شهاب علی رأس المائة بأمر عمر بن عبد العزیز**''، یعنی پہلی صدی کے اختتام پر جس نے سب سے پہلے تدوینِ حدیث کا کام کیا عمر بن عبد العزیز کے حکم سے وہ ابن شہاب زہری ہیں۔

علامہ سیوطی کی رائے:

علامہ سیوطی بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ ان کی کتاب تدریب الراوی، لقط الدرر اور دیگر کتابوں میں تصریح ہے، جسے دوسرے حضرات نے بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت امام مالک کی رائے:

صاحب حلیۃ ابونعیم الاصفہانی نے امام مالک سے ان کا یہی قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں اول من دون الحدیث ابن شہاب زہری، گویا کہ امام مالک بھی اسی کی طرف مائل ہیں اس کے علاوہ بہت سے محدثین اس کے قائل ہیں کہ مدون اول ابن شہاب زہری ہیں، اور اکثر محدثین کا رجحان یہی ہے۔

دوسرا قول مدون اول ابوبکر بن حزم ہیں:

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ علم حدیث کے مدون اول ابوبکر بن حزم ہیں۔

امام بخاری کی رائے:

امام بخاریؒ کا میلان بھی اسی کی طرف معلوم ہوتا ہے، بخاری شریف باب کیف یقبض العلم کے تحت انہوں نے تعلیقاً ذکر کیا ہے، "وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ إِلٰى أَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ اُنْظُرْ مَا كَانَ فِيْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاكْتُبْهُ لِأَنِّيْ أَخَافُ اِنْدِرَاسَ الْعِلْمِ وَذِهَابَ الْعُلَمَاءِ"، ابوبکر بن حزم کا پورا نسب نامہ یہ ہے، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، لیکن ان کو ان کے دادا کی طرف منسوب کرتے ہوئے ابن حزم کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے، ان کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا ہے۔

ابوبکر بن حزم کے بارہ میں امام مالک کا ارشاد:

حضرت امام مالک ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے علماء میں قضاء کا علم جتنا انہیں تھا کسی کو نہیں تھا، یہ مدینہ میں قضاء کے سب سے بڑے عالم تھے اور بہت سے حضرات نے ان کی تعریف کی ہے، "**کان عابداً زاهداً متورعاً قائم اللیل**" کہ وہ عابد زاہد متقی اور شب زندہ دار تھے، ان کی بیوی کا بیان ہے کہ چالیس برس تک رات میں انہوں نے کمر زمین سے نہیں لگائی انہیں حضرات کی قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ علم حدیث کا یہ ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے۔

حضرت شیخ کی رائے:

بتصریح حضرت شیخ حافظ ابن حجرؒ کا میلان بھی ابن حزم کی طرف ہے اگرچہ جزم ابن شہاب ہی پر ہے۔ الحاصل دوسرا قول یہ ہے کہ مدونِ اول ابن حزم ہیں، جس کی وجہ سے اختلاف ہوگیا ہے، اور قطعی فیصلہ دشوار ہے، چونکہ دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے، اسی وجہ سے حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان قطعی فیصلہ ھو عسیر جدا۔

مدون اول میں اختلاف کی تطبیق:

لیکن بعض حضرات محدثین تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ عمر

بن عبد العزیزؒ کے دل میں جب تدوین حدیث کا خیال آیا ہو، اور انہوں نے اپنے امراء و حکام کے پاس تدوین حدیث کے لئے لکھا ہو تو بعض امراء نے ابن حزم کو تدوین حدیث کا حکم دیا ہو اور بعض نے ابن شہاب زہری کو حکم دیا ہو، چنانچہ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح ہوا تھا، مگر ایک کے کام کا دوسرے کو علم نہیں ہوا اس زمانہ میں جس طرح آج ٹیلیفون تار وغیرہ کا انتظام ہے اس وقت وہاں نہ تھا، اس وقت خطوط قافلوں کے ذریعہ یا پیدل جاتے تھے، ممکن ہے کہ کام دونوں نے شروع کیا ہو اور ایک کو دوسرے کے کام کے متعلق خبر نہ ہوئی ہو، اور ان کے حلقہ کے لوگ جو ان کے قریب کے تھے وہ انہیں مدون اول سمجھتے اور کہتے ہوں۔

دوسری تطبیق:

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ عمر بن عبد العزیزؒ نے دونوں کو تدوینِ حدیث کا حکم دیا ہو، اور دونوں نے کام بھی کیا ہو مگر ہر ایک کو دوسرے کے کام کا علم نہ ہوا ہو، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی مدت خلافت بھی کم رہی ہے، ۶۱ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، اور ۹۹ھ میں عبد الملک ابن مروان کے بعد تخت خلافت پر متمکن ہوئے، اور ۱۰۱ھ میں انتقال ہوگیا، مدت خلافت اس طرح کل تقریباً دو سال پانچ ماہ چند دن ہوتے ہیں، اس طرح ہوسکتا ہے کہ دونوں نے کام کیا ہو مگر ایک کی شہرت ہوئی ہو اور دوسرے کی شہرت نہ ہوئی ہو، چنانچہ جامع بیان العلم میں جہاں اس کی تصریح ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز

نے ابن شہاب کو حکم دیا تھا، وہیں ابن عبدالبر کی تمہید میں تصریح ہے کہ "**توفی عمر بن عبد العزیز وقد کنت کتبت کتبا بأمره فی الحدیث قبل أن یبعث بها إلیه**" یعنی ابوبکر بن حزم نے بھی چند کتابیں حدیث میں لکھی تھیں مگر ان کتابوں کے پہنچنے سے پہلے عمر بن عبدالعزیز اس دار فانی سے رحلت کر گئے، بخلاف ابن شہاب زہری کے کہ وہ فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے مجھے تدوین حدیث کا حکم دیا، چنانچہ ان کے حکم کے مطابق میں نے حدیث کے دفتر اور صحیفے لکھے اور عمر بن عبدالعزیز کو دیدیا، انہوں نے اسے پسند کیا اور جابجا بھجوایا، چنانچہ اس میں جہاں اس کی تصریح ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے انہیں حکم دیا وہیں اس کی بھی تصریح ہے کہ ان کا کام عمر بن عبدالعزیز کی زندگی میں پہنچ گیا اسی وجہ سے ابن شہاب کا شہرہ ہوگیا۔ اس سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ تدوین حدیث کا یہ عظیم الشان کام عمر بن عبدالعزیز نے کیا، اور اس کی انجام دہی کا سہرا ان کے سر ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ ابوبکر و عمر وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کسی صحابی نے آخر اسے کیوں نہ مدون کیا، عمر بن عبدالعزیز تک یہ مسئلہ موخر رہا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ خلافت بڑا دشوار گذار تھا آئے دن فتنے جنم لے رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ فتنے دبانے اور ارتداد کی مسموم فضا ختم کرنے میں مصروف اور منہمک تھے، بایں وجہ آپ نے یہ کام انجام نہیں دیا، اس کے بعد

حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا، انہوں نے اس کام کو شروع کرنا چاہا تھا، چنانچہ بتصریح محدثین حضرت عمرؓ نے مشورہ کے لئے صحابہ کو بلایا، مگر مشورہ میں یہی بات سامنے آئی کہ اس کام کو نہ شروع کیا جائے اور حضرت عمرؓ نے ایک ماہ تک استخارہ بھی کیا، مگر استخارہ میں بھی یہی بات سامنے آتی رہی کہ اس کام کو نہ شروع کیا جائے، انہوں نے فرمایا کہ دوسروں کی گمراہی کا سبب بھی ہمارے سامنے ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ سے توجہ ہٹالی تھی اور اس سے بے اعتنائی کی تھی۔ الحاصل حضرت عمرؓ نے استخارہ کیا تھا مگر منشرح نہ ہوسکے، یہ کتابی بات تھی، ورنہ تو یہ کام حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔ اور اس کا سہرا انہیں کے سر بندھنے والا تھا۔ اور نتیجۃً عمر بن عبدالعزیز نے اس کام کو کرکے قیامت تک کے لئے امت پر احسان کردیا، خصوصاً علماء پر، خدا ہم سب کی طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

مسئلہ کتابت حدیث:

اسی کے ضمن میں کتابت حدیث کا مسئلہ آتا ہے چونکہ یہ کام عمر بن عبدالعزیز نے کیا اور صحابہ وخلفاء نے اسے نہیں کیا، چنانچہ بعض حضرات کو شبہ ہوا کہ یہ کام صحابہ نے نہ کیا، نتیجۃً وہ اس کے قائل ہوگئے کہ کتابت حدیث جائز نہیں، ورنہ تو صحابہ ضرور اس میں مشغول ہوتے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس میں دو قول ہیں (۱) کتابت حدیث جائز ہے (۲) کتاب حدیث جائز نہیں۔

مانعین کتابت حدیث کی دلیل:

مانعین کتابت حدیث یعنی جو حضرات کہتے ہیں کہ کتابت حدیث جائز نہیں ہے، ان کی تائید مسلم شریف (اور دارمی ۱/۱۱۹ باب من کرہ أن یملي الناس) کی روایت سے ہوتی ہے جو ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے "لَا تَكْتُبُوْا عَنِّيْ غَيْرَ الْقُرْآنِ وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي شَيْئًا غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُه' قرآن پاک کے سوا ہم سے کوئی بات نہ لکھو، اور جس کسی نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کوئی چیز لکھی ہے اسے مٹادے۔ اس حدیث سے وہ حضرات استدلال کرتے ہیں جو کتابت حدیث سے منع کرتے ہیں، یعنی یہ مانعین کتابت حدیث کا مستدل ہے۔

مجوزین کتابت حدیث کے دلائل:

اس کے برخلاف مجوزین کتاب حدیث کے پاس بھی بہت سی روایات ہیں، ہم صرف چھ روایت ذکر کرتے ہیں:

دلیل نمبر (۱) حدیث ابی ہریرہ:

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میرے سوا حضور پاک ﷺ کی بات کثرت سے نقل کرنے والا کوئی نہیں، سوائے عبداللہ بن عمرو بن العاص کے، چونکہ وہ آپ ﷺ ہی کے زمانہ میں آپ کی بات لکھ لیا کرتے تھے، اور میں لکھتا نہیں تھا

(دارمی شریف ۱/۱۲۵ باب من رخص فی کتابۃ العلم)۔اسی وجہ سے وہ آگے بڑھ گئے۔

حدیث عبداللہ بن عمر بن العاص:

ابوداؤد اور مسند احمد بن حنبل اور دارمی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی یہ روایت موجود ہے جس سے کتابت حدیث کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ **"عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ قَالَ يَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كُنْتُ أَسْمَعُ مِنْكَ أَحَادِيْثَ فَلَا نَحْفَظُهَا أَفَلَا أَكْتُبُهَا قَالَ بَلٰى فَاكْتُبُوْهَا"**، یعنی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی باتیں سنتے ہیں اور محفوظ نہیں کر پاتے، کیا لکھ لیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں لکھ لیا کرو، اس سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتابت ہوتی تھی اگر چہ یہ عام نہ تھی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اجازت فرمائی تھی۔

دلیل نمبر (۲) واقعہ حجۃ الوداع:

(۲) حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وجیز اور جامع ومانع خطبہ دیا، بعد فراغت خطبہ ایک صحابی ابوشاہ یمنی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ خطبہ ہمارے لئے لکھوا دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"اكتبوا لأبى شاه فى رواية اكتبوا لأبى فلان أى أبى شاه"** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابت حدیث حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا کرتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

باتیں کچھ لوگ لکھا کرتے تھے۔

دلیل نمبر (۳) احادیث مسند دارمی:

(۳) مسند دارمی میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ صحابہ کرام احادیث پاک کی کتابت کیا کرتے تھے، یہ کتاب بھی قابل سند اور معتبر ہے، اور اس سلسلہ میں امام دارمی نے اپنی کتاب میں بہت سے صحابہ کرام کا عمل نقل کیا ہے۔

دلیل نمبر (۴) حدیث علی:

(۴) حضرت علیؓ سے کسی نے معلوم کیا کہ کیا آپ کے پاس کوئی خصوصی نوشتہ ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ ﷺ نے مخصوص مسائل کے بارے میں مخصوص باتیں بیان کی تھیں جسے میں نے اس صحیفہ میں لکھ دیا تھا، اس کے علاوہ اور کوئی بات میرے پاس نہیں ہے، یعنی خلافت وغیرہ کے بارے میں میرے پاس کوئی نوشتہ نہیں ہے، چنانچہ یہ روایت بخاری، مسند احمد اور مشکوۃ وغیرہ میں موجود ہے۔ جس سے قدر مشترک یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دیات، قصاص وغیرہ کے احکام تھے، جسے انہوں نے جمع کیا تھا۔

دلیل نمبر (۵) حدیث عبداللہ ابن عباس:

(۵) بخاری شریف میں روایت ہے جس کے راوی عبداللہ بن عباسؓ ہیں کہ

جب آپ ﷺ کی بیماری نے شدت اختیار کر لی اور حالات وقرائن سے آپ ﷺ کو اپنی رخصتی کا علم ہو گیا تو آپ ﷺ نے ایک کاغذ منگوایا جس کے الفاظ یہ ہیں: "لَمَّا اشْتَدَّ وَجْعُهُ ﷺ فَقَالَ ایْتُونِیْ بِکِتَابٍ أَکْتُبُ لَکُمْ کِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدِیْ" یعنی میرے پاس ایک کاغذ لاؤ تاکہ میں اس میں کچھ ایسی بات لکھ دوں کہ میرے بعد تم گمراہی میں نہ پڑو۔ اس حدیث سے بھی محدثین نے جواز کتابت حدیث پر استدلال کیا ہے۔

دلیل نمبر (٦) عمل سمرہ بن جندب:

(٦) حضرت سمرہ بن جندبؓ کے بارے میں روایات کے اندر ملتا ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ کے اقوال کو لکھا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے بھی کئی صحیفے تیار کر لئے تھے جس صحیفہ کی چار روایتیں بخاری شریف میں اور سو روایتیں مسند بزار کے اندر ٦ روایت ابوداؤد میں ہیں۔

اس سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں حدیث پاک کی کتابت کی جاتی تھی، اور آپ ﷺ کی جانب سے کوئی عمومی ممانعت نہیں تھی۔ ان چھ احادیث میں اقوی وارجح دو روایتیں ہیں (١) حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص، (٢) عبداللہ بن عباسؓ جو بخاری شریف میں ہے۔ بہرحال کتابت حدیث کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں چونکہ دونوں قسم کی روایتیں ہیں، بایں وجہ حضرات صحابہ میں

بھی اس مسئلہ میں اختلاف ملتا ہے۔

علامہ سیوطی کی رائے:

چنانچہ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں اور شیخ نے اوجز میں تصریح کی ہے کہ چند حضرات کتابت حدیث کو جائز سمجھنے والے تھے، اور چند حضرات ناجائز اور منع کرنے والے، جو حضرات صحابہ جواز کے قائل تھے وہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت حسن بن علی، حضرت انس، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین ہیں، حضرات تابعین میں سے حضرت سعید اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اور تبع تابعین میں ابوالملیح بھی اسی کے قائل ہیں، اور منع کرنے والے حضرات صحابہ یہ ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فی قولٍ، عبداللہ بن عمر فی قولٍ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوموسی اشعریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، یہ حضرات عدم جواز کے قائل ہیں۔

علامہ بلقینی کی رائے:

ایک تیسرا قول بھی ملتا ہے جسے علامہ بلقینی نے اختیار کیا ہے کہ یاد رکھنے کے لئے احادیث لکھنے کی اجازت تھی، یاد کرنے کے بعد مٹا دینے کا حکم تھا۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ یاد کرنے کے لئے لکھنا جائز ہے، اور یاد کرنے کے بعد نہ مٹانا مکروہ ہے۔

اب بالا جماع کتابت حدیث جائز ہے:

اخیر میں اسے ذہن نشین کرلیں کہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی اور علامہ قسطلانی اور اسی طرح علامہ سیوطی نے تدریب الراوی اور لقط الدرر میں تحریر کیا ہے کہ اب کتابتِ حدیث پر اجماع ہو گیا ہے، گویا کہ اختلاف ابتداءً تھا اور بعد میں سب اس پر متفق ہو گئے کہ جائز ہے، بلکہ بعض حالات میں کتابت حدیث کا حکم بقول حافظ ابن حجرؒ وجوب کا درجہ رکھتا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں "بل لا یبعد أن یکون واجباً علی من خشی النسیان" کہ اس میں کوئی بعد نہیں کہ خاص طور پر جو لوگ تبلیغ دین واحادیث کے مکلّف ہیں ان کے اوپر یہ حکم وجوبی ہے، اگر انہیں نسیان کا اندیشہ ہو، مثلاً کہیں کا ایک طالب علم ہو اور معلوم ہے کہ مجھے وہاں جا کر پڑھانا اور بتانا ہے اور خطرہ ہے کہ بھول جائے گا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ لکھے اور وہاں جا کر اس کی مدد سے دوسروں کو پہنچائے، اسی کے ضمن میں ایک تیسرا مسئلہ سنیئے۔

یہ طبقات مدونین حدیث سے متعلق ہے، چونکہ کتابت حدیث کا مسئلہ چل رہا تھا اس لئے سوچا کہ اس کے ضمن میں طبقات مدونینِ حدیث کا ذکر کر دیا جائے۔

طبقات مدونین حدیث

مدونین حدیث کے تین طبقات ہیں:

پہلا طبقہ:

۱- پہلے طبقے میں ان حضرات کا ذکر ملتا ہے جن حضرات نے صرف احادیث کو یکجا کر دیا، کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہ رکھا، اس انداز سے کام کرنے والے دو حضرات ہیں (۱) ابن شہاب زہریؒ، (۲) ابن حزمؒ۔ ان دونوں حضرات نے آپ ﷺ کی احادیث کو یکجا جمع کر دیا۔

دوسرا طبقہ:

۲- دوسرے طبقے میں وہ حضرات قابل ذکر ہیں جنہوں نے ایک باب کی احادیث کو خاص باب کے تحت جمع کیا، مثال کے طور پر کتاب الزکوۃ کی احادیث کو کتاب الزکوۃ کے عنوان کے تحت، اور ابواب الصوم کی روایات کو ابواب الصوم کے عنوان کے تحت ذکر کیا، اس طور پر کام کرنے والے دو حضرات ہیں۔ اور ان کا شمار اس طبقہ میں ہے (۱) ربیع بن صبیح، (۲) سعید بن ابی عروبہ۔ ملا کاتب چلپی نے لکھا ہے کہ "أول من صنف

فی الإسلام، ربیع بن صبیح، وسعید بن أبی عروبہ“، مگر یہ اولیت حقیقی نہیں ہے اعتباری ہے، یہ دونوں حضرات اس معنی کر مدون اول کہے جاتے ہیں کہ ایک باب کے تحت مرتب انداز میں کام خاص طور سے انہیں حضرات نے کیا ہے۔

تیسرا طبقہ:

۳-تیسرے طبقے میں وہ حضرات قابل ذکر ہیں جن حضرات نے ان مختلف ابواب وفصول کے تحت مختلف کتب کی روایات کو یکجا جمع کیا، اس میں بہت سے حضرات ہیں (۱) ابن جریج، (۲) ہشیم، (۳) امام مالک، (۴) معمر، (۵) عبداللہ بن مبارک۔ لیکن ان حضرات نے جہاں آپ ﷺ کے اقوال کو کتابی شکل دیا، اسی کے ساتھ یہ کام بھی کیا کہ روایات مرفوعہ کے ساتھ اکثر صحابہ کے آثار کو بھی ایک ہی ساتھ ذکر کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے روایات مرفوعہ اور آثار صحابہ کا ایک ذخیرہ کتابی شکل میں جمع ہوگیا، جیسا کہ مؤطا مالک سے یہ واضح ہوتا ہے۔

پھر روایات مرفوعہ کو آثار سے الگ کرنے کا زمانہ آیا:

مگر بعد والوں نے ضرورت محسوس کی کہ روایات مرفوعہ کو آثار سے جدا کر کے لکھا جائے، چنانچہ مسند عبداللہ بن موسی العبسی، اور مسند نعیم بن حماد الخزاعی، اسی طرح مسند امام احمد حنبلؒ وغیرہ جیسی بہت سی مسانید لکھی گئیں ان حضرات نے

خصوصی طور پر کوشش کی کہ آپ ﷺ کے اقوال اور صحابہ کے اقوال میں فرق ہو، مگر صحاح وحسان وضعاف میں فرق کرنے پر ان کی نظر نہ گئی۔

اس کے بعد صحاح کو حسان سے الگ کیا گیا:

پھر کچھ مدت کے بعد محدثین کی ایک جماعت پیدا ہوئی، اور انہوں نے محسوس کیا کہ صحاح کو الگ اور حسان کو الگ کتاب میں جمع کیا جائے ، چنانچہ امام بخاریؒ نے اس عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا اور ان کی صحیح بخاری آپ کے سامنے ان کی کوششوں کا ثمرہ ہے، جس میں صرف صحیح احادیث ہیں، اور امام حاکمؒ نے اس میں صحاح کا اضافہ کیا، اگر چہ اس میں کچھ روایات متکلم فیہ بھی ہیں، اس طرح مدونین حدیث تین طبقے میں بٹ گئے اس لئے کہ ہر ایک نے اپنے زمانہ میں خاص انداز سے کام کیا ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات نے انہیں مدون اول کہہ دیا، من کل الوجوہ انہیں مدون اول کہنا صحیح نہیں ہے، البتہ اعتباری فرق کے ساتھ انہیں مدون اول کہا جاسکتا ہے۔

علامہ سیوطی کے اشعار اور تطبیق:

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے چند اشعار میں تدوین حدیث کی ترتیب بیان کی ہے، اور اجمالاً تطبیق کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ ان تمام حضرات کو مدون اول کس

اعتبار سے کہا جاتا ہے، وہ اشعار یہ ہیں ؎

أول جامع الحديث والأثر　　ابن شهاب أمر له عمر

وأول جامع الأبواب　　جماعة فی العصر ذو اقتراب

كابن جريج وهشيم، ومالک　　ومعمر وولد المبارک

وأول الجامع مع الاقتصار　　على الصحيح فقط البخاری

سب سے پہلے احادیث وآثار کو جمع کرنے والے ابن شہاب زہری ہیں، جنہوں نے عمر بن عبد العزیزؒ کے حکم سے یہ کام انجام دیا، گویا کہ یہ مدونِ مطلق ہیں، اس کے بعد ابواب کے تحت روایات کو جمع کرنے والے بہت سے لوگ ہیں، ان کی مستقل ایک جماعت ہے، جن کا زمانہ قریب قریب ہے، جیسے ابن جریج، ہشیم، مالک، معمر، ابن المبارک وغیرہ، اور ساری روایتوں میں سے صرف صحیح روایت جمع کرنے والے امام بخاری ہیں، کہ انہوں نے صحیح احادیث یکجا جمع کیا ہے، بہرحال علامہ سیوطیؒ نے ان اشعار میں جہاں تدوین حدیث کی طرف اجمالاً اشارہ کیا ہے، وہیں تطبیق بھی دی ہے۔

حافظ ابن حجر کی رائے:

دوسری تطبیق حافظ ابن حجرؒ سے منقول ہے کہ ان حضرات کو مدون اول بلاد وامصار کے اعتبار سے کہا جاتا ہے، ابن جریج مدون اول ہیں مکہ کے اندر، اور ہشیم یہ

مدون اول ہیں واسط کے اندر، اور امام مالکؒ مدون اول ہیں مدینہ طیبہ کے اندر اور معمرؒ مدون اول ہیں یمن کے اندر، عبداللہ بن مبارک مدون اول ہیں خراسان کے اندر، ان شہروں میں سب سے پہلے کام کرنے والے یہ حضرات ہیں، بایں وجہ انہیں مدون اول کہا جاتا ہے۔

الفیہ کا تعارف:

فائدہ: دوران تقریر بار بار الفیہ کا تذکرہ آیا ہے، الفیہ تین ہیں (۱) الفیہ عراقی یہ حافظ ابن حجرؒ کے شیخ عراقیؒ کی کتاب ہے، (۲) الفیہ سیوطی، علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب ہے، یہ دونوں ہزار اشعار پر مشتمل ہیں، چونکہ ان کے اندر ہزار ہزار اشعار ہیں، لہذا انہیں الفیہ کہتے ہیں، یہ سب اشعار احادیث ہی سے متعلق ہیں، (۳) الفیہ بن مالک یہ فن نحو میں ہے اس میں بھی چونکہ ہزار اشعار ہیں، لہذا اسے الفیہ کہتے ہیں، مگر یہ الفیہ اولین کے مقابلہ میں بہت سخت ہے، نیز چونکہ الفیہ سیوطی و عراقی میں حدیث کے اہم مضامین بیان کئے گئے ہیں، اسی وجہ سے ہمارے بعض اکابر اسے طلباء سے زبانی سنا کرتے تھے، اور ضرورت کے مطابق کچھ سمجھا دیا کرتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدری کی حدیث کے جوابات:

کتابت حدیث کے عنوان کے تحت ایک بات رہ گئی تھی، سنیئے، وہ یہ کہ جن

حضرات نے ابوسعید خدریؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے اس بات کا قول کیا ہے کہ کتابت حدیث جائز نہیں، یا اس روایت سے جن حضرات کی تائید ہوتی ہے، اس کا جواب کیا ہے؟ حضرات محدثین کی طرف سے اس کے چھ جوابات دیئے گئے ہیں:

ابن قتیبہ کی رائے:

۱- ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حدیث کی کتابت سے اس وجہ سے منع فرما دیا تھا کہ آپ ﷺ کے سامنے یہود ونصاریٰ کی گمراہی واضح تھی جس کے اسباب بہت سے تھے اس میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ انہوں نے تورات وانجیل پر اپنی طرف سے اس کی شرح کے طور پر کچھ لکھنا شروع کیا، بعد میں تورات اور غیر تورات میں فرق نہ رہا، اور غیر تورات کو اصل تورات میں داخل کر دیا گیا، چونکہ وہ زمانۂ نزول قرآن کا تھا اگر آپ ﷺ عمومی اجازت دیدیتے تو قرآن کی آیات سے آپ ﷺ کے اقوال کے التباس کا شدید احتمال تھا، بایں وجہ آپ ﷺ نے نزول قرآن کے زمانہ میں کتابتِ حدیث سے منع کر دیا تھا۔

دوسرا جواب:

۲- آپ ﷺ نے مصلحتاً منع فرمایا تھا، چونکہ یہ بات مشاہد ہے کہ جب کوئی آدمی کوئی بات لکھتا ہے تو اسے اس پر اعتماد ہوتا ہے کہ یہ بات ہمارے پاس

لکھی ہوئی ہے، جب چاہیں گے دیکھ لیں گے، جس کے نتیجہ میں حفظ کی طرف سے تکاسل و تغافل ہوتا ہے اور اس کا اثر حافظہ پر بھی پڑتا ہے اور اس کی بڑی خرابی یہ ہے کہ آدمی عام طور سے لکھنے کے بعد تصحیح کی طرف توجہ نہیں کرتا اور دو چار مہینہ کے بعد جب دیکھتا ہے تو غلط بات بھی اسے صحیح معلوم ہوتی ہے بایں وجہ آپ ﷺ نے کتابت حدیث سے منع کر دیا تھا، گویا کہ یہ ممانعت علی الاطلاق نہیں بر بنائے حکمت تھی۔

تیسرا جواب:

۳- بعض حضرات نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ آپ ﷺ نے کتابتِ حدیث سے منع کر دیا تھا، اس وجہ سے کہ اس وقت بہت سے لوگ ایمان و اسلام قبول کرنے کے لئے آرہے تھے، اور اس میں اکثر ناخواندہ وغیر کاتب تھے۔ اگر عمومی اجازت ہوتی تو وہ لوگ جو لکھنا نہیں جانتے تھے، وہ بھی لکھنا شروع کر دیتے اور آپ ﷺ کی صحیح باتیں اس سے مسخ ہو جاتیں ظاہر ہے جو ابھی اسلام میں داخل ہوئے ہیں ان کو کتابت سے کیا واسطہ، اور وہ لوگ جیسا لکھتے پڑھتے ظاہر ہے، اور بعد میں آپ ﷺ نے اجازت دیدی جیسا کہ بعد کی دیگر روایات سے ظاہر ہے۔

چوتھا جواب:

۴- بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ممانعت یہ عوام کے لئے

تھی ، اور خواص کے لئے اجازت تھی جیسا کہ حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص ، وصحائف سمرہ بن جندبؓ وصحیفہ علیؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواص وعوام کا فرق ضرور تھا ، اور اس طرح تطبیق ہو جاتی ہے کہ ممانعت والی روایت کا تعلق عوام سے اور اجازت والی روایت کا تعلق خواص سے تھا ، عوام کے لئے ممانعت ، اور خواص کو اجازت تھی ۔

پانچواں جواب:

۵- یہ حدیث یعنی حدیث ابوسعید خدریؓ معلول بعلت ہے ۔ لہذا قابل استدلال نہیں ، امام بخاریؒ کا بھی کچھ میلان اسی طرف ہے ۔

حضرت شیخ کی رائے:

۶- حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے ایک خصوصی توجیہ کی ہے جو ان کے شایان شان ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں حدیث کی کتابت کی چنداں ضرورت نہیں تھی ، اس وقت کے صحابہ قوتِ حافظہ میں اپنی نظیر آپ تھے ، بڑے بڑے انساب وغیرہ انھیں حفظ تھے ، بہر حال چونکہ وہ حفظ کے پہاڑ تھے ، لہذا انہیں لکھنے کی چنداں ضرورت نہ تھی ، بعد کی نسل میں جب یہ بات نہ رہی تو لوگوں کو کتابت کی طرف توجہ ہوئی ۔

ساتواں جواب:

۷-حدیث ابوسعید خدریؓ منسوخ ہے، مرض الوفات کی روایت "اِیتُونِی بِکِتَابٍ أَکْتُبُ لَکُمْ کِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدِیْ" یہ ناسخ ہے۔

(۱۰) تقسیم وتبویب

مبادیات میں دسواں نمبر تقسیم وتبویب کا ہے، جس طرح علم کی تقسیم وتبویب ہے اسی طرح کتاب کی بھی تقسیم وتبویب ہوتی ہے، جسے شاعر نے دو مصرع میں جمع کردیا ہے ؎

سیر وآداب تفسیر وعقائد - فتن واحکام اشراط ومناقب

بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو کہ شعر کے اندر ذکر کردہ علوم ہشتگانہ پر مشتمل ہیں، اور بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو آداب پر مشتمل ہیں، اور بہت سی روایات تفسیر سے متعلق ہیں، اور بہت سی روایات میں عقائد کا بیان ہے، اور بہت سی روایات میں فتن کو ذکر کیا گیا ہے، اور بہت سی روایات میں صرف احکام موجود ہیں، اور بہت سی روایات میں صرف اشراط کا ذکر ہے، اور بہت سی روایات میں مناقب کا بیان ہے۔

ابواب ثمانیہ پر جو کتاب مشتمل ہو اس کو جامع کہتے ہیں:

حدیث کی وہ کتاب جو ان آٹھ باتوں پر مشتمل ہو اسے جامع کہتے ہیں،

بخاری شریف کو اسی وجہ سے جامع کہتے ہیں کہ اس کے اندر یہ آٹھ ابواب ہیں۔

مسند کس کو کہتے ہیں؟

اور اگر کسی کتاب میں یہ آٹھ باب نہ ہوں تو اسے مسند وغیرہ کہتے ہیں جس کی تفصیل مقدمۃ الکتاب میں آئے گی، یہ مختصر سی بات مقدمۃ العلم سے متعلق تھی جو آج بحمداللہ مکمل ہوگئی، بعض حضرات مقدمۃ العلم کے تحت اجناس کا بھی تذکرہ کرتے ہیں جس طرح مقدمۃ الکتاب کے تحت انواع کا ذکر آتا ہے، جس سے کتاب کی نوع کا پتہ لگتا ہے، اسی طرح مقدمۃ العلم کے تحت اجناس کے بیان سے علم حدیث کے اجناس کی تعیین ہوتی ہے۔

علم حدیث کی اجناس:

اس کی ابتداء یوں ہوتی ہے کہ علم حدیث دو حال سے خالی نہیں یا تو عقلی ہے یا نقلی، اگر نقلی ہے تو دو حال سے خالی نہیں، شرعی ہے یا غیر شرعی، اگر شرعی ہے تو دو حال سے خالی نہیں، اصلی ہے یا فرعی، مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم حدیث نقلی شرعی، اصلی ہے، نقلی اس وجہ سے ہے کہ علم حدیث نام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال کا، جیسا کہ تعریف میں بات آچکی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال از قبیل منقولات ہیں، شرعی اس وجہ سے ہے کہ اس پر مدارِ اسلام ہے جیسا کہ بات آچکی ہے

کہ ہر مسلمان کے لئے اصل کتاب قرآن پاک ہے، مگر قرآن کے غایت اجمال میں ہونے کی وجہ سے حدیث موضح قرآن ہے، بایں معنی اسے اس سے خارج نہیں کر سکتے، ایمانیات سب اس میں موجود ہیں، اور اصلی اس وجہ سے ہے کہ اس پر بہت سے علوم کا مدار ہے، الحاصل حدیث نقلی شرعی اصلی ہے۔

مقدمۃ الکتاب

اب مقدمۃ الکتاب کا نمبر ہے، اس کے تحت چودہ مباحث ہیں: (۱) انواع کتب حدیث، (۲) حکم شرعی، (۳) تقسیم وتبویب، (۴) تعیین صحاح ستہ، (۵) ترتیب بین الصحاح، (۶) اغراض مصنفین صحاح ستہ، (۷) طبقات کتب حدیث، (۸) مذاہب ائمہ صحاح ستہ، (۹) شرائط تخریج کتب صحاح ستہ، (۱۰) فضائل ترمذی شریف، (۱۱) مختصر حالات امام ترمذیؒ، (۱۲) مختصر بیان عادات امام ترمذیؒ، (۱۳) ثلاثیات ترمذی شریف، (۱۴) مکررات احادیث وابواب فی الترمذی۔ اس طور پر مقدمۃ العلم ومقدمۃ الکتاب مل کر چوبیس مباحث ہوئے۔

(۱) انواع کتب حدیث:

جس طرح مقدمۃ العلم کے تحت علم حدیث کے اجناس کے بارے میں قدرے معلومات حاصل ہوئیں، اس سے اجناس علم حدیث کا حاصل معلوم ہوا، انواع کتب حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کون سی کتاب کس نوع کی ہے، اس لئے کہ انداز ائمہ جمع احادیث میں یکساں نہیں رہا ہے، بلکہ ہر ایک کا انداز دوسرے سے بعض وجوہ سے مختلف رہا ہے، اسی وجہ سے محدثین کو انواع کتب حدیث کے عنوان کے تحت اسے ذکر

کرنا پڑتا ہے۔

انواع کتب حدیث کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

حضرت گنگوہی کا معمول:

حضرت گنگوہیؒ زیادہ انواع نہیں بیان کرتے تھے، بلکہ تین نوع یعنی جامع، سنن، مسند، ان میں سے ہر ایک کی تعریف کے بعد بتلاتے تھے کہ جامع، سنن، مسند، کسے کہتے ہیں، اس سے بادی النظر میں اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ کتب حدیث کی صرف تین قسمیں ہیں (۱) جامع، (۲) سنن، (۳) مسند۔ لیکن اور بھی بہت سی قسمیں ہیں، اختصاراً حضرت اس پر اکتفاء کرتے تھے، یا یہ کہ یہ تین اہم ہیں اور عامۃً انہیں کا تذکرہ ملتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے چھ قسمیں بیان کی ہیں:

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے عجالۂ نافعہ میں کتب حدیث کی چھ قسمیں بیان کی ہیں، ان کی تقسیم پر جامع، سنن ایک میں داخل ہیں۔

حضرت شیخ کا ارشاد:

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے مشکوۃ شریف کا درس دیا تو سولہ قسمیں ملیں، اور مقدمۂ لامع لکھنے کے وقت تلاش سے ستائیس انواع ملیں،

حاصل کلام یہ ہے کہ کتب حدیث کی بھی بہت سی انواع ہیں، ان میں سے ہم چند کو بیان کرتے ہیں، جس کا تذکرہ کتب حدیث میں عام طور سے آتا ہے، تاکہ آپ حدیث کی کتاب علی وجہ البصیرۃ پڑھ سکیں۔

جامع کا تعارف:

ا- جامع، جامع حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں محدث ابواب ثمانیہ کی روایات کو جمع کر دے، جس کو ایک شاعر نے اس شعر میں جمع کیا ہے۔

سیر وآداب تفسیر وعقائد - فتن واحکام اشراط ومناقب

ان پر ابواب ثمانیہ کا اطلاق ہوتا ہے، چونکہ ساری احادیث کو دیکھنے کے بعد محدثین نے انہیں آٹھوں میں منحصر کر دیا ہے، لہذا جس کتاب میں یہ آٹھ ابواب ہوں اسے جامع کہتے ہیں۔ اگر چہ بعض حضرات محدثین نے ہر ایک پر الگ الگ کام کیا ہے، صرف سیر پر بہت سے حضرات کی کتاب ہے، مثلاً سیرۃ ابن اسحاق وسیرۃ ابن ہشام وغیرہ۔ یہ سیرت پر ہیں۔

(۲) آداب پر بھی بہت سے لوگوں نے کام کیا ہے، ان حضرات میں سب سے زیادہ مشہور امام بخاریؒ ہیں، ان کی کتاب اس باب میں الادب المفرد مشہور ہے۔

(۳) تفسیر، اس میں بھی بہت سی کتابیں ہیں، مثلاً تفسیر ابن کثیر، تفسیر ابن جریر وغیرہ۔

(۴) عقائد، اس پر بھی حضرات محدثین نے کام کیا ہے، چنانچہ امام بیہقیؒ کی کتاب ''الاسماء والصفات'' اسی موضوع پر ہے۔

(۵) فتن، اس پر بھی بہت سے حضرات نے مستقلاً کام کیا ہے، اور ان روایات کو جمع کیا ہے، جن کا تعلق فتن سے ہے۔

(٦) احکام، اس پر بھی مستقلاً بہت سے حضرات نے کام کیا ہے، سنن اربعہ اسی میں داخل ہیں، یعنی ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ان کتابوں میں احکام کی روایات کثرت سے ہیں۔

(۷) اشراط، یعنی آپ ﷺ نے پیشینگوئیاں قبل از وقت دی ہیں ان کا بیان، نیز قیامت وغیرہ کی تفصیلات، اس پر بھی بہت سے حضرات نے مستقلاً کام کیا ہے۔

(۸) مناقب، اس پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں، امام نسائی کی کتاب ''القول الجلی فی مناقب علی'' اسی پر ہے۔

بخاری بالاتفاق جامع ہے:

الحاصل حدیث کی اس کتاب کو جس میں ان آٹھ ابواب کی روایتیں ہوں، اسے جامع کہتے ہیں۔ مثلاً بخاری کو اجماعاً جامع کہا جاتا ہے، چونکہ اس میں آٹھ ابواب ہیں، مگر صحاح کی اور کوئی کتاب اس جامع میں داخل ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے۔

مسلم جامع ہے یا نہیں؟

مثلاً مسلم جامع ہے کہ نہیں، دو قول ملتے ہیں:

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی رائے:

(ا) جامع نہیں ہے اس کے قائل شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور دیگر حضرات ہیں۔

ملا کاتب چلپی کی رائے:

(۲) مسلم جامع ہے اس کے قائل صاحب کشف الظنون ملا کاتب چلپی اور صاحب قاموس علامہ مجد الدین فیروز آبادی اور کتانی ہیں، حضرت شیخ بھی اسی کے قائل ہیں۔

مسلم کے جامع نہ ہونے کی وجہ:

جو حضرات اس بات کے قائل ہیں مسلم شریف جامع نہیں ہے وہ دلیل میں یہ فرماتے ہیں کہ جامع ہونے کے لئے ابواب ثمانیہ کا ہونا ضروری ہے، اور مسلم شریف میں کتاب التفسیر نہیں ہے، اس کے برعکس جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ مسلم شریف جامع ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں ابواب ثمانیہ ہیں، اگرچہ کتاب التفسیر مختصر ہے، مگر ضرور ہے، اور جو حضرات کہتے ہیں کہ یہ جامع نہیں، وہ القلیل کالشاذ والشاذ

کالمعدوم کا ضابطہ پیش کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ نکلا کہ باب التفسیر مسلم شریف میں نہیں ہے، لیکن جیسا کہ عرض کیا کہ اکثر حضرات اسی کے قائل ہیں کہ مسلم شریف جامع ہے۔

ترمذی شریف جامع ہے یا نہیں؟

(۳) ترمذی شریف کا ہے، اس کے بارے میں ہمارے اکابرین ودیگر محدثین اس کے قائل ہیں کہ یہ جامع ہے، اور وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب ابواب ثمانیہ پر مشتمل ہے، ان ابواب میں سے کوئی باب ایسا نہیں ہے، جس کو امام ترمذی نے ذکر نہ کیا ہو، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سنن ہے۔ اور اس کی تعریف چونکہ اس پر فٹ ہے، بایں وجہ بعضے اسے سنن میں داخل کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس پر دونوں کا اطلاق ہوتا ہے، جامع ترمذی، سنن ترمذی دونوں کہتے ہیں۔ مگر کسی نے یہ کہہ کر اسے جامع سے خارج نہیں کیا کہ اس میں ابواب ثمانیہ نہیں ہیں بلکہ ترتیب کتب فقہیہ پر ہونے کی وجہ سے اسے سنن کہتے ہیں، اس طرح سے یہ مسلم پر بڑھی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد سنن ہیں۔ الحاصل صحاح ستہ میں ایک متفقہ طور پر جامع ہے، اور دو میں اختلاف ہے۔

دیگر جامع کا تذکرہ:

اس کے علاوہ اور بہت سے حضرات نے جامع لکھی ہے، جن میں چند کا

تذکرہ ہم یہاں کرتے ہیں:

(۱) جامع ابی عبد اللہ الثوری البصری، امام ابوعبد اللہ الثوری نے حدیث پر کام کیا، اور ابواب ثمانیہ کا احاطہ کیا۔ بایں وجہ اس پر بھی جامع کا اطلاق ہوتا ہے، (۲) جامع ابی محمد سفیان بن عیینہ کوفی ثم المکی، (۳) الجامع الصغیر للجعفی، (۴) الجامع للجعفی، یہ دونوں کتابیں جعفی کی ہیں اور جامع ہیں، (۵) الجامع الصحیح للقشیری، (۶) الجامع الصحیح للترمذی، (۷) الجامع الصحیح لابن خزیمہ، (۸) الجامع الصحیح لابی عوانہ، الجامع الصحیح لابن الشرقی، (۹) الجامع الصحیح لابن السکن، (۱۰) الجامع الصحیح لابن حبان۔ ان کتب پر جامع کا اطلاق ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ ان حضرات نے ابواب ثمانیہ پر کام کیا ہے۔

سنن کا تعارف:

۲۔سنن، سنن اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مصنف نے احادیث کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا ہو، یعنی اولاً کتاب الطہارۃ، پھر کتاب الصلوۃ، اس کے بعد کتاب الزکوۃ، اس طرح پوری کتاب لکھی ہو، سنن کی تعریف کے مطابق جیسا کہ خادم جامع کے تحت عرض کر چکا ہے، ترمذی داخل ہے، اس لئے کہ اس کی ترتیب ابواب فقہیہ پر ہے، چنانچہ اس کے اندر اولاً کتاب الطہارۃ، پھر ابواب الصلاۃ کا عنوان ہے، اس کے علاوہ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ پر سنن کا اطلاق ہوتا ہے، چونکہ ان کی ترتیب کتب فقہیہ

کی ہے، اور دیگر حضرات نے بھی اس انداز سے کام کیا ہے جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

سنن سے موسوم دیگر کتابیں:

(۱) سنن مکحول، (۲) سنن ابی جریج، (۳) سنن ابن یسار، (۴) سنن ابی یوسف، (۵) سنن امام الفہری، (۶) سنن بزار، (۷) سنن حلوانی، (۸) سنن دارمی، (۹) سنن ابی اسحاق، (۱۰) سنن ہمدانی، (۱۱) سنن ابن السکن، (۱۲) سنن ابن حبان، (۱۳) سنن دار قطنی، (۱۴) سنن الکبیر والصغیر للبیہقی، یہ سنن کی اتنی کتابیں ہیں، جن کا ان کے مصنفین کے ناموں کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

مسند کا تعارف:

۳- مسند، مسند حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں محدث ایک صحابی کی تمام روایات کو جمع کر دے، اس طرح بہت سے صحابہ کرام کی روایات جس کتاب میں جمع کی جائے اسے مسند کہتے ہیں۔ کتب احادیث کے دیکھنے سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے لکھنے کا انداز الگ الگ رہا ہے۔

مسند کے چار طریقے:

چار طریقے استیعاب کے بعد ملتے ہیں:

پہلا طریقہ:

(۱) بعض حضرات محدثین وہ ہیں جنہوں نے ایک صحابی کی ساری روایات کو یکجا جمع کردیا ہے، لیکن اس میں ترتیب افضل ثم افضل فالافضل کی قائم کی ہے، یعنی جو افضل صحابہ ہیں انہیں مقدم کیا ہے، اس کے بعد دوسرے نمبر والے، علی ہذا۔ دیگر حضرات مثلاً اس ترتیب پر اولاً حضرت ابوبکرؓ، پھر حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمانؓ، پھر حضرت علیؓ ہیں۔

دوسرا اسلوب:

(۲) بعض حضرات نے مسانید کے لکھنے میں حرف تہجی کا اعتبار کیا ہے، یعنی جن کا نام حرف تہجی کے اعتبار سے پہلے ہے ان کی روایات کو پہلے ذکر کیا ہے، پھر اسکے بعد دوسرے نمبر والے، اس ترتیب میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ ہوں گے، نام کی ابتداء میں الف ہونے کی وجہ سے۔

تیسرا انداز:

(۳) بعض حضرات نے یہ ترتیب قائم کی کہ جو حضرات اسلام لانے میں مقدم ہیں ان کی روایت مقدم، پھر دوسرے نمبر پر اسلام لانے والے 'ہلم جرا' اخیر تک۔

چوتھی ترتیب:

(۴) بعض حضرات نے یہ ترتیب قائم کی ہے کہ مراتب کے اعتبار سے جن کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے، ان کی روایتوں کو سب سے پہلے ذکر کیا ہے، اور جن کا مرتبہ کم ہے ان کی روایتوں کو بعد میں ذکر کیا ہے، مثلاً بدر کے شرکاء صحابہ کی روایت، پہلے، پھر ان حضرات کی جنہوں نے جنگ احد میں شرکت کی، پھر ان حضرات کی جنہوں نے صلح حدیبیہ میں شرکت کی۔

الحاصل مسانید کے سلسلہ میں محدثین کے یہ چار انداز ہیں۔ ان چاروں طرز میں سے جس پر بھی آپ کو مسند ملے، اسے آپ مسانید میں شمار کریں، بہت سی کتابیں مسند کے نام سے مشہور ہیں:

مسند کے ساتھ موسوم کتابیں:

(۱) مسند ابی حنیفہ، (۲) مسند بزار، (۳) مسند شافعی، (۴) مسند ابی بکر عبد الرزاق، (۵) مسند فریابی، (۶) مسند حیدری، (۷) مسند ابن ابی شیبہ، (۸) مسند ابن راہویہ، (۹) مسند امام احمد بن حنبل، (۱۰) مسند دورقی، (۱۱) مسند تنوخی، (۱۲) مسند ابی بکر، (۱۳) مسند بخاری، (۱۴) مسند علی، (۱۵) مسند ابی عوانہ، (۱۶) مسند عمر، (۱۷) مسند دیلمی، (۱۸) مسند ابوداؤد طیالسی، (۱۹) مسند فردوس، (۲۰) مسند دارمی وغیرہا۔

معجم کا تعارف:

۴۔معجم، اس کی جمع معاجم آتی ہے، معجم حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مصنف احادیث کو علی ترتیب الشیوخ ذکر کرے، یعنی اس کے شیوخ میں سے جن کا انتقال پہلے ہوا ہو، اس کی روایات پہلے، پھر جس کا دوسرے نمبر پر انتقال ہوا ہو، اس کی روایات ذکر کرے، علی ہذا القیاس، ثم، فثم، فثم، نیز اسکی بھی رعایت ہوسکتی ہے کہ جو شیخ سب سے افضل ہو تقوی وغیرہ کے اعتبار سے اس کی روایت پہلے پھر دوسرے کی، علی ہذا القیاس، ثم فثم فثم، اپنے شیوخ کی ساری روایات ذکر کرے۔

معجم کی عام طور پر یہی تعریف محدثین کرتے ہیں۔

حضرت شیخ کی رائے:

مگر حضرت شیخ کی رائے یہ ہے کہ معجم حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کو علی ترتیب الہجاء ذکر کیا جائے، خواہ وہ علی ترتیب الصحابہ ہو، یا علی ترتیب الشیوخ ہو، اس تعریف کے مطابق اس پر کام کرنے والے بہت سے حضرات ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

معجم کے ساتھ موسوم کتابوں کا تذکرہ:

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، (۲) المعجم الصغیر للطبرانی، (۳) المعجم الاوسط

للطبرانی۔ یہاں پر ایک بات اور بھی سنتے چلئے:

علامہ طبرانی کی معاجم کے بارہ میں اختلاف آراء:

علامہ طبرانیؒ کی ان تینوں معاجم میں سے معجم صغیر اور اوسط کے بارے میں سب متفق ہیں کہ یہ علی ترتیب الشیوخ ہے، مگر معجم کبیر میں اختلاف ہے کہ یہ علی ترتیب الشیوخ ہے یا علی ترتیب الہجاء، اس میں دو قول ہیں:

(۱) یہ علی ترتیب الہجاء ہے، اس کے قائل حضرت شاہ عبد العزیزؒ ہیں، جیسا کہ عجالہ میں اس کی تصریح ہے۔ ملا کاتب چلپی کی بھی یہی رائے ہے۔ علامہ سیوطی بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ تدریب الراوی میں انہوں نے تصریح کی ہے (۲) معجم کبیر یہ علی ترتیب الشیوخ ہے اس کے قائل بھی بعض محدثین ہیں، اور حضرت شیخ بھی اسی کے قائل ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ ۱۳۴۵ھ میں میں نے معجم کبیر دیکھی وہ علی ترتیب الشیوخ تھی، اور معجم کبیر میں علامہ طبرانی نے پچیس ہزار روایات ذکر کی ہیں، اور سب علی ترتیب الصحابہ یا علی ترتیب التہجی ہیں۔ (۴) المعجم لابن قانع، (۵) المعجم لابن الجمیع، (٦) المعجم للدمیاطی، یہ چند معاجم کا تذکرہ ہے، الحاصل اس اسلوب پر بھی کام کرنے والے بہت ہیں۔

اطراف کا تعارف:

۵- اطراف، اطراف حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں حدیث کا

ایک ٹکڑا ذکر کیا جائے، اس کے بعد اس کی ساری سندیں جن سے وہ مروی ہے، اسے ذکر کر دیا جائے، اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کتنے حضرات سے مروی ہے، اور اس سے رواۃ بھی سامنے آجاتے ہیں، جس سے حدیث پر صحت وحسن وغیرہ کا حکم لگانا آسان ہوتا ہے، مثلاً یہ حدیث صحیح ہے یا حسن، موقوف ہے یا مرسل، متصل ہے یا منقطع، جیسے ''اِنما الأ عمال بالنیات'' اسے لے کر کوئی محدث بتادے کہ یہ کتنے حضرات سے مروی ہے۔

علل کا تعارف:

۶۔ علل، علل حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں طرق کے تمام طرق ضعیفہ کو جمع کر دیا جائے، یہ اطراف کے قریب ہے، مگر اطراف میں صرف طرق کا بیان ہوتا ہے، اور علل خفیہ وصحت وضعف کا بیان نہیں ہوتا لیکن علل پر کام کرنے والے صحت وضعف کی بھی نشاندہی کرتے ہیں، یہ اسلوب عند المحدثین سب سے سخت ہے کہ روایات کی صحت وغیرہ کی نشاندہی کی جائے، اور وجہ بھی بیان کی جائے، لیکن خدا محدثین کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے ہر گوشہ پر کام کیا، اور حدیث کو شوائب سے محفوظ کر دیا، اس باب میں امام ترمذی کی کتاب العلل بہت مشہور ہے، انہوں نے اس نام سے علل صغری وکبری دو کتاب لکھی، علل صغری ترمذی کے اخیر میں درج ہے اور پڑھائی جاتی ہے، اس کتاب میں حدیث کے علل

خفیہ وصحت وضعف وغیرہ کے اصول بیان کئے جاتے ہیں، علی ہذا علل بخاری ہے، اما مسلمؒ نے بھی اس پر کتاب علل مسلم لکھی ہے، اس کے علاوہ حاکم کبیر علامہ شیخ حاکم کی کتاب ہے۔

مستدرک کا تعارف:

۷- مستدرک، مستدرک اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مصنف یا مؤلف کسی کتاب کی ان روایات کو ذکر کرے جو مؤلف کی شرط کے مطابق ہوں مگر کسی وجہ سے اس مصنف نے اسے درج نہ کیا ہو، امام حاکمؒ کی مستدرک بہت مشہور ہے، امام بخاریؒ یا امام مسلمؒ سے جو روایت متروک ہوگئی تھی اسے امام حاکمؒ نے تصریح کے ساتھ لکھ دیا کہ ہذا علی شرط الشیخین، یا علی شرط مسلمؒ، یا علی شرط البخاریؒ، اس طرح ان کا استدراک ہے۔

علامہ بلقینی اور دیگر محدثین نے لکھا ہے:

امام حاکم کا احسان :

امام حاکمؒ نے اس استدراک سے شیخین پر احسان کیا ہے، اور بڑا ذخیرہ جمع کر دیا مگر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس مستدرک پر مستقل کام کر کے ثابت کر دیا کہ اس میں سو روایتیں موضوع ہیں، اسی وجہ سے حاکم کی روایت جب تک کوئی دوسرا محدث اس کی توثیق نہ کر دے وہ مقبول نہیں، آخر یہ چوک ان سے کیسے ہوئی؟ علماء

محدثین نے اس کے دو وجہیں لکھی ہیں:

امام حاکم کے مستدرک میں چوک کی پہلی وجہ:

(۱) حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کتاب کو انہوں نے تالیف کیا تھا، مگر نظرِ ثانی سے پہلے وفات پا گئے، بعد والوں نے نقل کر کے چھپوا دیا، اگر مزید زندہ رہتے تو نظر ثانی سے یہ غلطی دور ہو جاتی۔

دوسری وجہ:

(۲) علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ امام حاکمؒ نے استدراک کا کام اس وقت کیا جبکہ قوتِ حافظہ کمزور ہو چکا تھا، اور غفلت ہو گئی تھی، علامہ سخاویؒ کے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے اضافہ کا کام اس وقت کیا جب حفظ متاثر ہو چکا تھا، اور غفلت آ گئی تھی۔ اس لئے کام کی تبییض نہیں کر سکے، لہٰذا غلطی رہ گئی، یہی حال امام ترمذیؒ کا ہے کہ جب تک دوسرے توثیق نہ کر دیں، وہ روایت ان کی نہیں لی جائے گی اس لئے کہ بعض ضعاف کی انہوں نے تحسین کر دی ہے، اور اس پر محدثین نے اعتراض کیا ہے مگر یہ بات ضرور ہے کہ امام ترمذیؒ، امام حاکم سے تساہل میں بہت کم ہیں، اس لئے کہ اس میں ضعیف روایتیں بہت کم ہیں، الاعلی قول البعض، وہ حضرات جو کہ اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں (۲) مستدرک ابوذر حربی مالکی، (۳) صاحب مشکوۃ کا استدراک فصل ثالث کے ذریعہ۔

مستخرج کا تعارف:

۸- مستخرج، مستخرج حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جن میں محدث یا مصنف، کسی مؤلف کی روایات اس کی سند چھوڑ کر اپنی سند سے ذکر کرے بشرطیکہ مؤلف اصل اس کی سند میں حائل نہ ہو، اس طرح پر بھی کام کرنے والے بہت سے حضرات ہیں، جن میں سے چند نام یہ ہیں۔

مستخرج کے نام سے موسوم کتابیں:

(۱) مستخرج ابن رجاء، (۲) مستخرج ابن ہمدان، (۳) مستخرج ابن الحزم (۴) مستخرج ابن عبدان، (۵) مستخرج ابن مردویہ، (۶) مستخرج ابن مہران، (۷) مستخرج ملیحی، اتنے حضرات ہیں جنہوں نے روایات کو اپنی سند سے جمع کیا ہے، حالانکہ وہ روایات دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔

اربعینہ کا تعارف:

۹- اربعینہ، اربعینہ حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں محدث چالیس روایت ذکر کرے، اس موضوع پر صاحب کشف الظنون نے بہتر (۷۲) کتاب کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی گئی ہیں، اب اس کی تعداد بہتر سے کہیں زائد ہے، چونکہ اس کے اندر چالیس حدیث ہوتی ہے، لہذا اسے

اربعینہ کہتے ہیں۔

اربعینہ پر محدثین کے توجہ کی وجہ:

محدثین نے اس پر توجہ کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین نے یہ حدیث پائی کہ جو شخص لوگوں کے دینی امور میں چالیس (۴۰) حدیث پہنچا دے وہ فقہاء کے زمرہ میں شامل ہوگا، اور میں اس کی سفارش کروں گا، علامہ ذہبی وغیرہ نے اس کی سند ومتن پر کلام کیا ہے، مگر یہ حدیث محدثین کے یہاں انتہائی مشہور ہے، اور اس پر انہوں نے بے چوں وچرا عمل کیا ہے، جیسا کہ ابھی بات آئی ہے کہ اس پر بہت سے حضرات نے کام کیا ہے، ان میں سے چند نام یہ ہیں:

اربعین کے ساتھ موسوم کتابیں:

(۱) اربعین دارقطنی (۲) اربعین امام حاکم (۳) اربعین سیوطی (۴) اربعین ابی نعیم (۵) اربعین ابن عساکر (۶) اربعین ابن حجر الہیثمی (۷) اربعین ابن حجر العسقلانی۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے چالیس حدیث ذکر کیا اور اس میں امام مسلمؒ کو امام بخاریؒ سے بڑھا دیا، یعنی مسلم شریف کے اندر اس روایت میں رجال کم ہیں، بخاری شریف کی روایت سے (۸) اربعین حضرت شاہ ولی اللہ (۹) اربعین حضرت شیخ مولانا زکریا صاحبؒ۔

اجزاء کا تعارف:

۱۰-اجزاء و رسائل، اجزاء و رسائل اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مصنف ایک مسئلہ کے متعلق روایات ذکر کردے اس کو اجزاء و رسائل کہتے ہیں، ہمارے اکابرین کی یہی تحقیق ہے، اس لئے کہ علامہ سیوطی نے بھی اجزاء کا اطلاق رسائل پر اور رسائل کا اطلاق اجزاء پر کیا ہے، مثلاً امام بخاریؒ نے جزء رفع الیدین، و جزء القراءۃ خلف الامام لکھا، مگر اول کو رسالہ کہتے ہیں، ثانی کو جزء۔

اجزاء و رسائل میں فرق:

لیکن شاہ عبدالعزیز صاحب نے عجالہ میں تفریق کی ہے ان کی تحقیق یہ ہے کہ اجزاء اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں محدث ایک شیخ کی روایت ذکر کردے، اور رسائل اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ایک مسئلہ کی روایت ہوں۔

بقول صاحب کشف الظنون اجزاء کے مؤلفین ۱۱۳ ہیں:

صاحب کشف الظنون نے ایک سو تیرہ (۱۱۳) حضرات کا نام شمار کرایا ہے، یعنی یہ لوگ اجزاء کی تالیف کرنے والے ہیں ان میں بعض حضرات کے نام یہ ہیں: (۱) جزء ابی عاصم ضحاک (۲) جزء ابی عبد اللہ البصری (۳) جزء ابی فرات (۴) جزء البخاری۔

مشیخہ کا تعارف:

۱۱-مشیخہ، مشیخہ حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں محدث اپنے شیخ کی تمام روایات ذکر کردے، خواہ وہ روایتیں کسی بھی مسئلہ سے متعلق ہوں اس پر بھی کام کرنے والے بہت سے محدثین ہیں، مثلاً مشیخہ ابن البخاری اور مشیخہ ابن القاریؒ، ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات اس پر کام کرنے والے ہیں۔

غرائب کا تعارف:

۱۲-غرائب، غریب، وافراد، فرد کی جمع ہے، بعضے غرائب اور بعضے افراد کہتے ہیں، اس کتاب کا نام ہے جس میں ایسی روایات ہوں کہ ان روایات کی سند میں کسی راوی کا تفرد ہو، بخاری شریف کی روایت "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" ۔اور "كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ الخ" والی روایت محدثین کہتے ہیں کہ یہ غریب ہے، اول میں یحییٰ بن سعید سے لے کر عمر فاروقؓ تک رواۃ میں تفرد ہے۔علی ہذا حدیث ثانی میں بھی رواۃ میں تفرد ہے، اسی وجہ سے محدثین کہتے ہیں کہ بخاری کی روایتیں اگر چہ صحیح ہیں مگر اول و آخر غریب ہے، اسی طرح ہدایہ میں ہذا غریب اکثر ملتا ہے، مگر یہ نہیں کہ یہ لائق استدلال نہیں، ورنہ تو بخاری کی یہ روایتیں نا قابل استدلال ہوں گی، حالانکہ اجماع اس کے برعکس ہے، اس انداز سے کام کرنے والے بھی بہت سے حضرات ہیں۔

تراجم کا تعارف:

۱۳- تراجم، تراجم حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں محدث کسی سند کی تمام مرویات کو جمع کردے، مثلاً مالک عن نافع عن ابن عمرؓ، اس سند سے جتنی روایات ہیں، اسے اگر کوئی جمع کردے تو اسے تراجم کہتے ہیں۔

زوائد کا تعارف:

۱۴- زوائد، زوائد حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مصنف کسی کتاب کی روایات پر کچھ اضافہ کردے۔

مسلسلات کا تعارف:

۱۵- مسلسلات، مسلسلات اس کتاب کا نام ہے جس میں محدث تسلسل کو باقی رکھے یعنی اگر آپ ﷺ نے کسی حدیث پر کوئی خاص انداز یا جملہ اختیار کیا ہے، تو اسے صحابہ اور سارے محدثین اختیار کرتے ہیں، مثلاً **"أَنَا أُحِبُّکَ يَا مَعَاذُ"**، آپ ﷺ نے فرمایا اب ہر محدث، کسی خاص تلمیذ کو اس پر انا اُحبک یا فلاں کہہ دے، شاہ ولی اللہؒ کی مسلسلات مشہور ہے، حضرت شیخؒ صبح سے دوپہر تک ختم کراتے تھے، اور کھجور وزمزم بٹواتے تھے، دارالعلوم دیوبند کے بھی طلباء شریک ہوتے تھے۔

۲-حکم شرعی:

مقدمۃ الکتاب میں دوسرا نمبر حکم شرعی کا ہے یہ عنوان مقدمۃ العلم کے تحت بھی آچکا ہے، مگر جس انداز سے اس عنوان پر مقدمۃ العلم کے تحت بات آئی تھی، وہ انداز یہاں نہ ہوگا، دونوں میں فرق ہے، اس لئے کہ وہاں نفس حدیث سے متعلق گفتگو تھی، اور یہاں حدیث کی کتاب کے بارے میں گفتگو ہوگی کہ آیا حدیث کی کتاب کا پڑھنا فرض ہے یا واجب یا سنت یا کچھ اور؟ حدیث کی کتابوں کے بارے میں حکم شرعی اس مقام پر دو اعتبار سے ہم بیان کریں گے، (۱) باعتبار تعلیم و تعلم، (۲) باعتبار عمل۔

حدیث کا حکم باعتبار تعلیم و تعلم:

(۱) تعلیم و تعلم کے اعتبار سے کتب حدیث کے سلسلہ میں محققین فرماتے ہیں کہ جہاں صرف ایک ہی کتاب ہو وہاں اس کا پڑھنا اور پڑھانا فرض عین ہے، اور جہاں بہت سی کتابیں ہوں وہاں ہر ایک کا علی التعیین پڑھنا فرض عین نہیں، ان کتب میں سے جو کتاب بھی پڑھ لیں فرضیت ساقط ہو جائے گی، اور اگر ایک بھی نہ پڑھیں تو سب ترک فرض کے گنہگار رہوں گے۔

حدیث کا حکم باعتبار عمل:

(۲) باعتبار عمل، اس کے اعتبار سے کتب احادیث کے بارے میں علماء فرماتے

ہیں کہ کتب احادیث میں جتنی روایات ایسی ہیں جن کا باہم تعارض نہیں، ان پر عمل واجب ہے، اور متعارض روایات میں تطبیق کے بعد عمل واجب ہے، اس لئے کہ کتب حدیث میں غیر متعارض روایات کے ساتھ کثرت سے متعارض روایتیں ملتی ہیں، چنانچہ خود بخاری شریف میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اور جامع وصحیح ہے اس میں بھی آپ کثرت سے متعارض روایات پائیں گے، چنانچہ کتاب الطہارت ہی میں استقبال واستدبار کے سلسلہ میں جہاں حضرت ابوایوبؓ کی روایت ہے جو کہ استقبال واستدبار کی ممانعت پر دال ہے، وہیں روایت ابن عمرؓ سے اجازت معلوم ہوتی ہے، اسی طرح خود امام بخاریؒ ہی نے آپ ﷺ کے قیام فی قباء کے سلسلہ میں دو ایسی روایت ذکر کی ہیں جو آپس میں متعارض ہیں اس لئے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہجرت کے موقع پر قباء میں چودہ دن قیام فرمایا، اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے چوبیس روز قیام فرمایا، اور یہ دونوں روایتیں بخاری شریف میں موجود ہیں، جیسا کہ انشاءاللہ آپ پڑھیں گے الحاصل متعارض روایات میں تطبیق کے بعد اس پر عمل واجب ہے، یہ بات آئے گی اس کے بارے میں حضرات احناف وشوافع ودیگر ائمہ کے مابین اختلاف ہے کہ متعارض روایتوں میں دفع تعارض کے لئے کونسی صورت اختیار کی جائے، نیز تساقط وتطبیق وترجیح وتناسخ میں سے مقدم کون ہے۔

(۳) تقسیم وتبویب

مقدمۃ الکتاب کا یہ تیسرا عنوان ہے، یہ مقدمۃ العلم کے تحت بھی گذر چکا ہے،

لیکن اس کے تحت جو گفتگو وہاں ہوئی ہے وہ یہاں نہیں ہے، بلکہ یہاں دوسرے اعتبار سے گفتگو ہوگی، حضرات محدثین حدیث کی کتب میں ایک اجمالی فہرست حدیث کی ذکر کرتے ہیں جس میں تبویب کے ساتھ تقسیم بھی ہوتی ہے، اس سے ابواب وفصول وکتابوں کا پتہ لگانا آسان ہوجاتا ہےاور روایتوں کی تلاش میں آسانی ہوجاتی ہے، الحاصل اسی اجمالی فہرست کو جسے اکثر حضرات ذکر کرتے ہیں وہی تقسیم وتبویب سے مراد ہے۔

۴- تعیین صحاح ستہ:

صحاح، صحیح کی جمع ہے، ست کے معنی چھ (٦) کے ہیں، اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ مدارس وطلباء واساتذہ میں صحاحِ ستہ کا نام مشہور ہے، اس سے کون سی کتابیں مراد ہیں، ہر حدیث کے پڑھنے والے کے لئے اس کا جاننا بھی ضروری ہے اس لئے تفصیل کے ساتھ اسے بھی سنتے چلئے، اتنی سی بات میں تو سارے حضرات علماء محدثین متفق ہیں کہ بخاری شریف، ومسلم شریف، وابوداؤد شریف، وترمذی شریف، ونسائی شریف، یعنی یہ پانچ کتابیں صحاح ستہ میں داخل ہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

چھٹے نمبر صحاح ستہ میں کونسی کتاب ہے؟

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ چھٹے نمبر پر صحاح ستہ میں کون سی کتاب ہے؟ اس کے بارے میں تحقیق کے بعد پانچ قول ملتے ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ ابن ماجہ ہے:

(۱) چھٹے نمبر پر صحاح ستہ میں ابن ماجہ ہے، اس کے قائل ابورزین ابن معاویہ ہیں اس کے علاوہ اور دیگر حضرات بھی اسی کے قائل ہیں، سب سے پہلے ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں چھٹے نمبر پر داخل کرنے والے حافظ ابوالفضل محمد ابن طاہر المقدسی ہیں، جن کا انتقال ۵۰۷ھ میں ہوا ہے، یعنی چھٹی صدی کے علماء میں سے ہیں، انہوں نے اطراف کتب ستہ، وشروط ائمہ ستہ میں سب سے پہلے اسے چھٹے نمبر پر داخل کیا، اس کے بعد دوسرے نمبر پر حافظ عبدالغنی المقدسی نے ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں داخل کیا، آپ کا انتقال ۶۰۰ھ میں ہوا ہے، آپ نے اسماء الرجال نامی کتاب میں ابن ماجہ کو چھٹے نمبر میں داخل کرکے دوسروں کے لئے راہ ہموار کردی۔ اس کے بعد بہت سے حضرات نے ابن ماجہ کو چھٹے نمبر پر شمار کیا، جیسا کہ اساتذہ وطلباء کے درمیان یہی مشہور ہے، نیز اکثر حضرات محدثین کے نزدیک اسی کو ترجیح حاصل ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ طحاوی شریف ہے:

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ چھٹے نمبر پر طحاوی شریف ہے، اس کے قائل ابن حزم ظاہری ہیں، تعجب کی بات ہے کہ ابن حزم ظاہری جیسے محدث نے طحاوی شریف کو صحاح ستہ میں چھٹے نمبر میں داخل کیا، اس سے آپ طحاوی شریف کے مقام کا اندازہ

لگا سکتے ہیں، ان کے علاوہ بھی دیگر حضرات محدثین اس کے قائل ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ دارمی شریف ہے:

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ صحاح ستہ میں چھٹے نمبر پر دارمی شریف ہے جو اپنے مقام کے اعتبار سے بخاری شریف پر بھی فوقیت رکھتی ہے، جیسا کہ انشاءاللہ آئندہ اس کے بارے میں بات آئے گی، اس کے چھٹے نمبر پر داخل ہونے کے قائل علامہ ابوسعید العلائیؒ ہیں۔

چوتھا قول یہ ہے کہ موطا امام مالک ہے:

(۴) چوتھا قول یہ ہے کہ صحاح ستہ میں چھٹے نمبر مؤطا امام مالکؒ ہے، اس کے قائل صاحب جامع الاصول ابن تیمیہؒ ہیں، چنانچہ موصوف نے جامع الاصول میں اس کی تصریح کی ہے، اس کے علاوہ دیگر حضرات محدثین بھی اسی کے قائل ہیں۔

پانچواں قول یہ ہے کہ موطاء امام مالک یا دارمی ہے:

(۵) پانچواں قول یہ ہے کہ صحاح ستہ میں چھٹے نمبر پر مؤطا امام مالک یا دارمی شریف ہے اس کے قائل حضرت العلامۃ انور شاہ کشمیریؒ ہیں، بہرحال ان سارے اقوال میں مشہور اول ہی ہے جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا جاچکا ہے، یعنی صحاح ستہ میں چھٹے نمبر پر ابن ماجہ ہے۔

۵-ترتیب بین الصحاح یا ترتیب بین الصحاح الستہ :

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ صحاح ستہ کا اطلاق جن کتابوں پر ہوتا ہے، ان کی ترتیب کیا ہے یعنی فضیلت کے اعتبار سے کس کا درجہ کس کے بعد ہے، اور کس کا مقام اعلی ہے، اور کس کا مقام اس سے کم ہے، اور دوسری چیز اس میں باعتبار تعلیم ہے گویا کہ ترتیب بین الصحاح پر گفتگو دو اعتبار سے ہوگی، (۱) باعتبار صحت وفضیلت، (۲) باعتبار تعلیم۔

صحاح ستہ میں اصح وافضل کونسی کتاب ہے:

(۱) باعتبار صحت وفضیلت، اس کے بارے میں حضرات محدثین کا شدید اختلاف ہے کہ صحاح ستہ میں پہلے نمبر پر کونسی کتاب ہے اور کونسی کتاب ساری کتب میں افضل ہے، ہم ان میں سے یہاں چار قول ذکر کریں گے:

پہلا قول یہ ہے کہ نسائی شریف ہے:

۱-سب سے افضل اور سب سے مقدم یعنی مرتبہ کے اعتبار سے پہلے نمبر پر نسائی شریف ہے اس کے قائل بعض حضرات ہیں لیکن یہ قول جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہے، اور کسی کے نزدیک بھی قابل اعتبار نہیں

دوسرا قول یہ ہے کہ موطاء امام مالک ہے:

۲-فضیلت وصحت کے اعتبار سے پہلے نمبر پر مؤطا امام مالکؒ ہے اس کے قائل حضرت امام شافعیؒ ہیں، امام شافعیؒ نے صحاح ستہ میں سب سے پہلے نمبر پر مؤطا امام مالکؒ کو رکھا ہے، چنانچہ ان کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے، "أصح الكتاب تحت أديم السماء مؤطا امام مالك" ، یعنی حدیث کی ساری کتب میں سب سے افضل مؤطا امام مالکؒ ہے۔

اس قول پر اعتراض اور حافظ ابن حجر کا جواب:

لیکن جمہور حضرات محدثین نے امام شافعیؒ کے اس قول کی تردید کی ہے، اسی وجہ سے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ان کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے یہ بات لکھی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کی بات بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے، اس لئے کہ جب انہوں نے یہ ارشاد فرمایا تھا اس وقت اس سے افضل کتب حدیث میں کوئی کتاب نہ تھی، بخاری شریف بعد میں لکھی گئی بایں وجہ بعد کے لوگوں میں جب بخاری شریف آگئی تو انہوں نے اس کے ہوتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ بخاری سب سے افضل ہے، لیکن امام شافعیؒ کے سامنے بخاری شریف نہ تھی، بایں وجہ انہوں نے مؤطا کو سب سے افضل قرار دیا، لہذا جمہور محدثین کی بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے اور امام شافعیؒ کی بات بھی اپنی جگہ باوزن ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ مسلم شریف ہے:

۳-تیسرا قول یہ ہے کہ صحاح ستہ میں سب سے افضل مسلم شریف ہے، اس کے قائل بعض حضرات ہیں، جو حضرات بخاری شریف کے مقابلہ میں مسلم شریف کو ترجیح دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم شریف کے اندر جتنی روایتیں ہیں ان روایتوں میں سے کسی بھی روایت کو آپ حاصل کرنا چاہیں تو آپ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ امام مسلمؒ کی ترتیب کچھ اس انداز کی ہے کہ روایات کی تحصیل اس ترتیب سے بہت آسان ہوگئی ہے، برخلاف بخاری شریف کے کہ امام بخاریؒ کا انداز بخاری شریف میں ذکر روایات کا نرالا ہے، بایں وجہ بخاری شریف سے کسی روایت کا لینا بہت آسان نہیں ہے، بایں وجہ بعض حضرات نے مسلم شریف کو بخاری شریف پر فوقیت دی ہے مگر جمہور محدثین کے یہاں یہ بات قابل قبول نہیں بایں وجہ اگرچہ مسلم شریف کی ترتیب سے روایت کا حصول سہل ہے اور بخاری شریف سے روایت نکالنا سہل نہیں ہے، مگر پھر بھی بخاری شریف کا جو مرتبہ ہے اس کی وجہ سے مسلم شریف اس سے افضل نہیں ہے کہ صرف ترتیب کی وجہ سے اسے بخاری سے بڑھا دیا جائے۔

بخاری و مسلم میں متکلم فیہ روایات کی تعداد:

نیز جبکہ مسلم شریف کے اندر متکلم فیہ روایات کی تعداد بخاری شریف سے

زیادہ ہے اس لئے کہ بخاری شریف میں کل ایک سو دس (۱۱۰) متکلم فیہ روایات ہیں بخلاف مسلم شریف کے کہ اس میں متکلم فیہ روایات محدثین ایک سو بتیس (۱۳۲) بتاتے ہیں، چونکہ ان دونوں کا یاد کرنا ذرا مشکل ہے اس لئے ایک شاعر نے دونوں کی متکلم فیہ روایات کو ایک شعر میں ذکر کردیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

فدعد لجعفی وقاف لمسلم وبل لهما فاحفظ وقيت من الردیٰ

۷۸ ۱۰۰ ۳۲

یعنی دعد، یہ جعفی یعنی امام بخاریؒ کے لئے ہے اور ق، یہ امام مسلمؒ کے لئے ہے اور بل ان دونوں کے لئے ہے اسے محفوظ کرلو غلطی میں مبتلا نہ ہوگے اور بھٹکنے سے محفوظ ہوجاؤ گے، اس شعر کے پہلے مصرعہ میں سب سے پہلا لفظ فدعد ہے اس میں فاء زائد ہے اور دعد کی تعداد ابجد ہوز حطی کے اعتبا سے اٹھہتر ہوتی ہے، اور جعفی سے مراد امام بخاریؒ ہیں، اور ق کے اعداد حروف تہجی کے اعتبار سے (۱۰۰) ہوتے ہیں اور مسلم سے مراد امام مسلمؒ ہیں، اور بل کے اعداد ابجد ہوز کے اعتبار سے بتیس (۳۲) ہوتے ہیں، اس طور پر شعر کے پہلے مصرعہ میں ذکر کردہ تعداد کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی متکلم فیہ روایات کی تعداد اٹھہتر (۷۸) ہے، اور امام مسلمؒ کی متکلم فیہ روایات سو (۱۰۰) ہیں، اور شعر کے دوسرے مصرعہ میں 'بل' آیا ہے جو دونوں کے لئے مشترک ہے، اس طور پر بتیس بتیس (۳۲) ہر ایک تعداد کے ساتھ ملانے کے بعد امام بخاریؒ کی کل متکلم فیہ روایات ایک سو دس (۱۱۰) اور امام مسلمؒ کی ایک سو بتیس (۱۳۲) ہوتی ہیں۔

چوتھا قول یہ ہے کہ بخاری شریف ہے:

۴- چوتھا قول یہ ہے کہ پہلے نمبر پر مرتبہ اور فضیلت کے اعتبار سے نیز صحت کے اعتبار سے بخاری شریف ہے، اس کے قائل جمہور حضرات محدثین ہیں۔

دوسرے نمبر پر مسلم شریف ہے:

(۲) دوسرے نمبر پر مشہور ترتیب کے مطابق مسلم شریف ہے، جیسا کہ پہلے نمبر پر مشہور ترتیب کے مطابق بخاری شریف ہے۔

(۳) مشہور ترتیب کے مطابق صحاح ستہ میں تیسرے نمبر پر مرتبہ کے اعتبار سے ابوداؤد شریف ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے:

لیکن حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے یہ ہے کہ نسائی شریف ابوداؤد پر مقدم ہے، گویا کہ تیسرے نمبر پر نسائی شریف ہے۔ بعض حضرات نے ابوداؤد اور مسلم شریف کو ہم پلہ قرار دیا ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک مسلم وابوداؤد برابر ہیں:

چنانچہ کچھ حضرات اس کے قائل ہیں کہ مسلم اور ابوداؤد یہ دونوں برابر ہیں،

اس لئے کہ مسلم شریف کے اندر خود امام مسلمؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ مالک وسفیان وغیرہ جیسے تام الضبط وثقہ راوی کا ہونا ضروری نہیں ادھر امام ابوداؤدؒ نے اہل مکہ کو جو خط لکھا اس میں اس بات کی تصریح کردی کہ ”بَيَّـنْـتُ مَا فِيْهِ وَهُنٌّ شَدِيْدٌ“ یعنی اگر کسی راوی میں زیادہ کمزوری ہے تو اسے ہم نے بیان کر دیا ہے، اس اعتبار سے بعض حضرات محدثین دونوں کو ہم پلہ قرار دیتے ہیں مگر جیسا کہ عرض کیا کہ مشہور ترتیب کے مطابق مسلم شریف دوسرے نمبر پر ہے اور ابوداؤد شریف تیسرے نمبر پر ہے۔

حضرت شیخ کی رائے:

حضرت شیخؒ کی رائے یہ ہے کہ طحاوی شریف ابوداؤد کے برابر ہے، یعنی ابوداؤد وطحاوی دونوں کا مرتبہ ایک ہے، جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ ابن حزم جیسے متشدد نے صحاح ستہ میں چھٹے نمبر پر طحاوی شریف کو رکھا ہے، علامہ انورشاہؒ بھی اسی کے قائل ہیں، جس کے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ طحاوی، ابوداؤد کے قریب قریب ہے۔

چوتھے نمبر پر ترمذی شریف ہے:

(۴) ترمذی شریف، مشہور ترتیب کے مطابق چوتھے نمبر پر ہے لیکن اس کے علاوہ ترمذی شریف کے بارے میں دو قول اور ملتے ہیں:

بعض حضرات ترمذی اور مسلم کو ہم پلہ مانتے ہیں:

(۱) ترمذی شریف مسلم شریف کے ہم پلہ ہے، لہذا اس کو ترتیب میں ابوداؤد پر مقدم کیا جائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ترمذی نسائی سے کم درجہ ہے:

(۲) ترمذی شریف کا درجہ صحت کے اعتبار سے نسائی شریف سے بھی کم ہے، لہذا ترتیب میں اس کو نسائی شریف کے بعد رکھا جائے، لیکن حضرات محدثین کی کثیر تعداد اسی کی طرف مائل ہے کہ ترمذی شریف یہ چوتھے نمبر پر ہے، چنانچہ مشہور ترتیب یہی ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ ترمذی شریف کا درجہ نسائی کے بعد ہے وہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ترمذی شریف میں تین روایتیں موضوع ہیں، چنانچہ علامہ قزوینی الحنفی بھی اسی بات کے قائل ہیں، لیکن اکثر حضرات محدثین نے اس کی تردید کی ہے کہ یہ کہنا کہ ترمذی شریف کے اندر تین روایتیں موضوع ہیں جس کی وجہ سے اس کا درجہ نسائی سے کم ہے، یہ غلط ہے، البتہ اتنی بات سے انکار نہیں کہ کچھ ضعیف روایتیں ترمذی شریف میں ہیں اور ان کے بارے میں یہ کہنا کہ انتہائی ضعیف ہیں، یہ صحیح ہے۔

امام ترمذی کی تحسین کے بارہ میں ضابطہ:

علی ہذا اس حقیقت کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امام ترمذیؒ تحسین وتصحیح میں تساہل برتتے ہیں، اسی وجہ سے حضرات محدثین کے یہاں ان کی تحسین وتصحیح چنداں قابل اعتماد نہیں، الا یہ کہ اس کی توثیق وتائید کسی اور محدث نے بھی کی ہو، اس وقت ان کی تحسین وتوثیق پر یہ حضرات بھی اعتماد کرتے ہیں۔

ترمذی کی ایک روایت پر اشکال اور جواب:

چنانچہ ترمذی شریف میں باب تکبیرۃ العیدین کے تحت کثیر بن عبداللہ کی روایت آئی ہے، اس کے بارے میں اکثر حضرات محدثین نے سخت سے سخت کلام کیا ہے، کذاب، رکن من ارکان الکذب، الحاصل کثیر بن عبداللہ یہ ضعیف راوی ہیں اس کے باوجود بھی امام ترمذیؒ نے ان کی روایت کی تحسین کی ہے، انہیں وجوہات کے تحت کچھ حضرات نے ترمذی شریف کو نسائی سے بھی مؤخر کر دیا ہے، لیکن جو حضرات نسائی پر ترمذی شریف کو مقدم کرتے ہیں اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے اگرچہ ضعیف روایتوں کو بعض جگہ ذکر کر دیا ہے، مگر اس کے ضعف کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے، لہذا یہ بری الذمہ ہو گئے۔

پانچویں نمبر پر نسائی شریف ہے:

(۵) نسائی شریف، مشہور ترتیب کے مطابق صحت وفضیلت کے اعتبار سے

پانچویں نمبر پر ہے، اس کے بارے میں علماء محققین کے تین قول ملتے ہیں، دو اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں (۱) نسائی شریف صحاح ستہ میں سب سے پہلے نمبر پر ہے، یعنی بخاری شریف سے بھی افضل ہے، لیکن یہ قول حضرات محدثین کے یہاں مجروح و نا قابل اعتبار ہے (۲) نسائی شریف، یہ ابوداؤد کے ہم پلہ ہے، چونکہ امام مسلمؒ نے مقدمہ میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ سفیان و مالک جیسے رواۃ کا ہونا ضروری نہیں، ادھر امام ابوداؤدؒ نے اہل مکہ کو جو خط لکھا اس میں تصریح کی کہ "ما کان فیه وهن شدید بینته"، لہٰذا اس اعتبار سے یہ دونوں ایک درجہ کی ہو جاتی ہیں (۳) نسائی شریف یہ پانچویں نمبر پر ہے، جیسا کہ ابھی عرض کیا، اسی کے قائل اکثر حضرات محدثین ہیں۔

چھٹے نمبر پر ابن ماجہ ہے:

(٦) چھٹے نمبر پر مشہور ترتیب کے مطابق ابن ماجہ ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ترتیب بین الصحاح الستہ کی صحت وفضیلت کے اعتبار سے مشہور ترتیب یہ ہے (۱) بخاری شریف، (۲) مسلم شریف، (۳) ابوداؤد شریف، (۴) ترمذی شریف، (۵) نسائی شریف، (٦) ابن ماجہ شریف۔

فائدہ:

اس عنوان کے تحت دو بات عرض کرنی ہے:

صحاح کا اطلاق حقیقۃً بخاری ومسلم ہی پر ہوتا ہے:

(۱) جیسا کہ آپ حضرات سنتے چلے آرہے ہیں کہ صحاح ستہ سے مراد فلاں فلاں چھ کتابیں ہیں، لیکن حقیقتاً صحاح کا اطلاق بخاری اور مسلم ہی پر ہوتا ہے، ویسے مجازاً یا تغلیباً یا تعمیماً ان دونوں کے علاوہ بقیہ چار کتب پر صحاح کا اطلاق کرتے ہیں۔

نسائی سے مراد سنن صغری ہے:

(۲) دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ نسائی شریف کے نام سے جو کتاب ہمارے اور آپ کے یہاں مشہور ہے اس سے مراد صغری ہے جیسا کہ علامہ ابوالفضل العراقی نے اس کی تصریح کی ہے کہ امام نسائیؒ نے جب حدیث شریف کا صحیفہ تیار کیا تو امیر رملہ نے ان سے دریافت کیا کہ "أکل ما فیہ صحیح"؟ کیا جتنی روایتیں آپ نے اس میں ذکر کی ہیں سب صحیح ہیں، اس پر امام نسائیؒ نے جواب دیا کہ نہیں اس کے بعد امیر رملہ نے یہ کہا کہ "میز لی ما فیہ من الصحیح"، یعنی اس میں جو صحیح روایتیں ہیں انہیں الگ کرکے میرے لئے ایک کتاب تیار کردیں چنانچہ امام نسائیؒ نے ان کے حکم سے صحیح روایتوں کا ایک مجموعہ تیار کیا، اور بقیہ روایتوں پر مشتمل کتاب کا نام سنن کبری رکھا، صحاح ستہ میں داخل نصاب سنن صغری ہے۔ عام طور سے التباس ہوجاتا ہے نیز صحاح ستہ میں سنن کبری کا شمار نہیں، جیسا کہ بعض محدثین کو غلط

فہمی ہوئی کہ صحاح ستہ میں سنن کبری بھی داخل ہے حالانکہ ایسی بات نہیں۔

۲-ترتیب بین الصحاح باعتبار تعلیم:

جیسا کہ بحث خامس ترتیب بین الصحاح الستہ کے شروع میں عرض کیا تھا کہ اس کے تحت دو باتیں آئیں گی، (۱) ترتیب بین الصحاح الستہ باعتبار صحت وفضیلت، (۲) ترتیب بین الصحاح الستہ باعتبار تعلیم وتعلم، اب اول کے بعد ثانی کا بیان کیا جاتا ہے۔

اغراض مصنفین:

مگر اغراض مصنفین صحاح ستہ سن لیجئے اس لئے کہ ترتیب باعتبار تعلیم کا سمجھنا اغراض کے سمجھنے پر موقوف ہے، اس لئے پہلے چھٹا نمبر بیان کرتا ہوں۔

۶-اغراض مصنفین صحاح ستہ:

حضرات مصنفین صحاح ستہ نے حدیث کی جو عظیم الشان خدمت انجام دی، ہر ایک کے سامنے ایک خاص مقصد تھا، اسی مقصد کے تحت ہر ایک نے مجموعہ تیار کیا۔

امام ترمذی کی غرض:

(۱) چنانچہ امام ترمذیؒ کا مقصد اختلاف ائمہ کو بیان کرنا ہے، بایں وجہ آپ

دیکھیں گے کہ کوئی روایت ایسی نہیں گذرے گی کہ وہ اس کے تحت اختلاف ائمہ کو نہ بیان کرتے ہوں، جس کی وجہ سے پڑھانے والے کو ائمہ کے اقوال پر تفصیلی روشنی ڈالنی پڑتی ہے۔

امام ابوداؤد کی غرض:

(۲) امام ابوداؤدؒ، ان کے پیش نظر دلائل کو بیان کرنا ہے، اسی وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ وہ اختلاف ائمہ کو ذکر نہیں کرتے، بلکہ ترجمۃ الباب کے تحت صرف روایت ذکر کردیتے ہیں، البتہ کہیں کہیں دو روایت بھی ذکر کردیتے ہیں، جیسا کہ اہل مکہ کے نام خط میں، انہوں نے تصریح کی ہے کہ میں نے ہر باب کے تحت ایک حدیث ذکر کی ہے، اس کے علاوہ ایک سے زائد کہیں کہیں مصلحتاً ہیں۔

امام بخاری کی غرض:

۳- امام بخاریؒ کا مقصود طریقۂ استنباط کو بیان کرنا ہے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ احادیث پر جتنا سخت ان کا ترجمہ ہوتا ہے کسی اور کا نہیں ہوتا۔ بایں وجہ محدثین خصوصاً علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے تصریح کی ہے کہ ترجمۃ الباب کے اندر سب سے افضل حضرات مصنفین صحاح ستہ میں امام بخاریؒ ہیں جیسا کہ بات آئے گی کہ ترجمۃ الباب کے اعتبار سے صحاح ستہ کے مصنفین میں کون اول نمبر پر ہے۔

امام مسلم کی غرض:

(۴) امام مسلمؒ کے پیش نظر احادیث کو متعدد طرق سے ایک باب کے تحت ذکر کر دینا ہے چنانچہ آپ کو مسلم شریف کے دیکھنے کے بعد اس بات کا مشاہدہ ہو جائے گا کہ امام مسلمؒ کے پیش نظر یہ بات ہے یا نہیں، ایک ہی روایت بعض مقامات پر دس دس سندوں سے بیان کرتے ہیں۔

امام نسائی کی غرض:

(۵) امام نسائیؒ ان کے پیش نظر روایات میں علل خفیہ قادحہ کو بیان کرنا ہے، چنانچہ آپ کو نسائی شریف کے دیکھنے کے بعد اس کا اندازہ ہو جائے گا، مثلاً امام نسائیؒ نے قصہ عرنین میں لفظ ابوال کے تحت لکھا ہے کہ ''ماسمعنا ہذا اللفظ من مشائخنا'' اسی طرح کے الفاظ سے وہ علل خفیہ قادحہ کو بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔

ابن ماجہ کی غرض:

(٦) ابن ماجہ شریف، ابن ماجہ کے پیش نظر احادیث کو جمع کر دینا ہے زیادہ سے زیادہ روایات وہ جمع کرنے کے پیچھے رہتے ہیں چاہے وہ صحیح ہو یا حسن، مرسل ہو یا موقوف، منقطع ہو یا موضوع، بایں وجہ اس کو محدثین نے چھٹے نمبر پر رکھا ہے، اس میں بیس بائیس روایات موضوع ہیں، اس کے علاوہ ضعاف ہیں، اس کے بعد ترتیب بین

الصحاح الستہ باعتبار تعلیم سنیے جو ترتیب بین الصحاح الستہ کا دوسرا نمبر ہے۔

تعلیم کے اعتبار سے صحاح ستہ کی ترتیب:

ہمارے اکابرین کے یہاں صحاح ستہ کی تعلیم کی یہ ترتیب تھی کہ اولاً ترمذی شریف پڑھاتے، پھر ابوداؤد، تیسرے نمبر پر بخاری شریف، چوتھے نمبر پر مسلم شریف، پانچویں نمبر پر نسائی شریف، چھٹے نمبر پر ابن ماجہ شریف، یہ ترتیب انہوں نے اس لئے قائم کی تھی کہ اولاً طالب علم کو ائمہ کے اقوال معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ اختلاف ائمہ ترمذی شریف سے معلوم ہوجاتا ہے بایں وجہ سب سے پہلے وہ ترمذی شریف پڑھاتے تھے، اس کے بعد جب اقوال ائمہ معلوم ہوگئے تو اب دلائل معلوم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور ہر ایک کا جی چاہتا ہے کہ دلائل معلوم کرے اور دلائل ابوداؤد شریف سے معلوم ہوتے ہیں، بایں وجہ دوسرے نمبر پر ابوداؤد شریف پڑھاتے تھے، اس کے بعد طالب علم چاہتا ہے کہ طریقۂ استنباط معلوم ہوجائے کہ امام نے یہ مسئلہ اس حدیث سے کس طرح مستنبط کیا ہے، اور یہ چیز بخاری شریف سے معلوم ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس کے بعد بخاری شریف پڑھاتے تھے، اب جی چاہتا ہے کہ اس کے بعد شواہد بھی مل جائیں، اور یہ مسلم شریف سے حاصل ہوتا ہے، لہذا اس کے لئے مسلم شریف پڑھاتے تھے، اتنی چیزوں کے حاصل کر لینے کے بعد ہر طالب علم کا جی چاہتا ہے کہ ان روایات میں کوئی علت خفیہ قادحہ تو نہیں ہے، چنانچہ وہ علت خفیہ قادحہ کے درپے ہوتا ہے

اور یہ چیز نسائی شریف سے حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اب نسائی شریف پڑھاتے ہیں، یہاں تک طالب علم جب پہنچ جاتا ہے تو بحمد اللہ اس کے اندر قوت پیدا ہو جاتی ہے، اور اگر نہیں ہوتی تو پیدا ہو جانی چاہئے کہ وہ صحیح وضعیف میں امتیاز پیدا کر سکے، چنانچہ اسی مولویت کی تمرین وانٹر یو کے لئے ابن ماجہ شریف ہے، اور مصنف نے کسی حدیث کی تصریح نہیں کی کہ یہ ضعیف اور یہ موضوع ہے، اسی وجہ سے چھٹے نمبر پر ابن ماجہ پڑھاتے تھے کہ طالب علم جو نسائی تک پڑھ کر مولوی ہو گیا ہے اب ابن ماجہ میں آکر امتحان دیدے۔

حضرت گنگوہی کا اندازِ درس صحاح ستہ:

ہمارے اکابرین میں حضرت گنگوہیؒ کا صحاح ستہ پڑھانے کا یہی انداز تھا، وہ بھی اسی ترتیب سے پڑھاتے تھے چنانچہ ایک کتاب میں پوری تقریر کر دیتے، اور اس کے بعد دوسری کتاب میں اتنی تقریر نہ رہ جاتی تھی، یہ ترتیب انتہائی اچھی اور منضبط تھی کہ اس کے بعد ہر کتاب میں تقریر کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی، حضرت گنگوہیؒ کے استاذ شاہ عبد الغنیؒ اور اسی طرح ان کے استاذ شاہ اسحاق صاحبؒ کا بھی یہی طرز تھا، اور یہ حضرات اسی طرز پر پڑھاتے تھے، لیکن اس کے بعد الحمد للہ ثم الحمد للہ صحاح ستہ کے پڑھانے والے مدرس بہت سے حضرات ہو گئے، بایں وجہ ہر استاذ ہر سبق میں اپنی بضاعت کے تحت کلام کرتا ہے اور اس کی وجہ سے باتیں مکرر ہو جاتی ہیں، اور بات گڑ بڑ فی النفس ہو جاتی ہے، یہ خدا کا بڑا احسان وکرم ہے، اسی پر ترتیب کا عنوان ختم ہوا۔

طبقات کتب حدیث

ہر حدیث پڑھنے والے کے لئے طبقات حدیث کا جاننا بھی ضروری ہے، تا کہ یہ بات سامنے آجائے کہ حدیث کی کتابوں میں سے کس کا کون سا مقام ہے، تا کہ اس کتاب سے اخذ روایات واستدلال میں سہولت ہو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے چار طبقات بیان کئے ہیں:

شاہ عبدالعزیز صاحب نے عجالۂ نافعہ میں کتب حدیث کے چار طبقات بیان فرمائے ہیں جو کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اتباع میں ہیں، چونکہ شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے بھی کتب احادیث کے چار ہی طبقے بیان کئے ہیں۔

ایک تعارض اور اس کا جواب:

مگر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنی دوسری کتاب ما یجب حفظہ للناظر میں پانچ طبقات بیان کئے ہیں، بادی النظر میں ان دونوں میں اگرچہ بہت بڑا تعارض ہے، اس لئے کہ خود ہی شاہ صاحب نے عجالہ میں چار طبقات، اور پھر ما یجب حفظہ للناظر میں پانچ طبقات بیان کئے ہیں، لیکن اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو کوئی تعارض

نہیں، اس لئے کہ عجالۂ نافعہ میں جو بات مذکور ہے، وہ باعتبار صحت کے ہے، اور ما یجب حفظہ للناظر میں جو طبقات بیان کئے ہیں وہ باعتبار شہرت کے ہیں، یا علی العکس، بہر حال اس طور پر دونوں کے درمیان تعارض ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد پانچوں طبقات سنیے:

طبقہ اولی:

۱-طبقۂ اولی، اس میں حدیث کی وہ کتابیں ہیں جن کے بارے میں آپ آنکھ بند کر کے کہہ سکتے ہیں کہ اس کی تمام روایتیں صحیح ہیں، کسی بھی روایت میں کوئی اشکال نہیں، جسے چاہیں لے لیں، اس طبقہ کی کتابیں یہ ہیں، (۱) بخاری شریف، (۲) مسلم شریف، (۳) مؤطا امام مالک، (۴) صحیح ابن حبان، (۵) مسند ابن عوانہ، (۶) صحیح ابن خزیمہ، (۷) صحیح ابن سکن، (۸) منتقی لابن الجارود، (۹) مستدرک حاکم، لیکن مستدرک حاکم کے بارے میں اتنا ذہن نشیں ضرور کر لیں کہ امام حاکمؒ نے مستدرک میں جو روایات بیان کی ہیں وہ علی الاطلاق قابل احتجاج اور صحیح نہیں ہیں، بلکہ یہ بات انہیں روایات کے بارے میں ہے جن کے بارے میں علامہ ذہبیؒ سے تصحیح یا تحسین مروی ہے، اور عام روایات میں جیسا کلام ہوگا ویسا ہی حکم ہوگا، اس کے علاوہ کتب مذکورہ کے بارے میں آپ یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی روایات صحیح ہیں۔

طبقہ ثانیہ:

۲- طبقۂ ثانیہ، اس طبقہ میں ان کتابوں کا تذکرہ ہے جن کی روایات کے بارے میں آپ آنکھ بند کر کے یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ صحیح ہیں، البتہ وہ صالح للاحتجاج ضرور ہیں، یعنی آپ ان سے استدلال کر سکتے ہیں، اس طبقہ کی کتابیں یہ ہیں: (۱) ابوداؤد شریف، (۲) نسائی شریف، (۳) ترمذی شریف۔ ابوداؤد اور نسائی کے بارے میں سارے حضرات محدثین متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ یہ طبقہ ثانیہ میں ہیں، مگر ترمذی شریف کے بارے میں بعض حضرات نے اختلاف کیا ہے، اسی میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ بھی ہیں، چونکہ اس میں روایات متکلم فیہ آ گئی ہیں، (۴) طحاوی شریف، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اس طبقہ میں طحاوی شریف کو بھی داخل کیا ہے، اور فرماتے ہیں کہ جب ابن حزم جیسے متشدد نے اسے صحاح ستہ میں چھٹے نمبر پر رکھا ہے، تو اس طبقہ میں رکھنا قابل اعتراض نہیں، (۵) مسند احمد بن حنبل، علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اسے بھی طبقۂ ثانیہ ہی میں رکھا ہے، فرماتے ہیں کہ روایات کے معلوم کرنے میں یہ اصل ہے اور اس کی روایات قابل اعتماد ہیں، سوائے ان کے لڑکے عبد اللہ کے اضافہ کے، مسند احمد کی تمام روایتیں دوسرے طبقہ میں ذکر کردہ اور روایتوں سے بہتر ہیں، اور مسند احمد کی ضعیف روایتیں بھی دوسری ان احادیث سے بہتر ہیں جن کی متاخرین نے تصحیح یا تحسین کی ہے، حاصل یہ ہے کہ علامہ انور شاہ صاحبؒ کی

رائے یہ ہے کہ مسند احمد طبقۂ ثانیہ میں ہے۔

طبقہ ثالثہ:

۳-طبقۂ ثالثہ، اس طبقہ میں وہ کتابیں ہیں جن کی روایات کے بارے میں آپ آنکھ بند کر کے نہ صحیح کہہ سکتے ہیں اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی ساری روایات صالح للأخذ ولائق اعتماد ہیں، البتہ تحقیق وتفتیش کے بعد جو روایت صحیح ملے گی اس پر عمل کر سکتے ہیں، اور جو صحیح نہ ہوگی اس پر عمل نہ کیا جائے گا اس طبقہ میں یہ کتابیں ہیں، (۱) ابن ماجہ، اسے اس طبقہ میں رکھا گیا، اس لئے کہ اس میں بیس بائیس روایات موضوع ہیں، (۲) مصنف عبد الرزاق، (۳) مصنف ابن ابی شیبہ، (۴) مسند ابی یعلی الموصلی، (۵) مسند سعید بن منصور، (۶) مسند بزار، (۷) مسند ابن جریر، (۸) معجم صغیر للطبرانی، (۹) معجم اوسط للطبرانی، (۱۰) معجم کبیر للطبرانی، (۱۱) سنن دار قطنی، (۱۲) سنن بیہقی، (۱۳) الحلیۃ لابی نعیم۔

طبقۂ رابعہ:

۴- طبقۂ رابعہ، اس طبقہ کے اندر وہ کتابیں ہیں جن کے اندر ذکر کردہ روایتوں کا حکم طبقۂ اولی کی کتابوں میں ذکر کردہ روایتوں کے بالکل برعکس ہے، یعنی آپ آنکھ بند کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ان کی کوئی روایت صحیح نہیں، اس طبقہ کی کتب یہ ہیں

(۱) مسند فردوس للدیلمی، (۲) نوادر الاصول للحکیم الترمذی، (۳) تاریخ الخلفاء، (۴) تاریخ ابن نجار، (۵) کتاب الضعفاء للعقیلی، (٦) الکامل لابن عدی، (۷) تاریخ خطیب بغدادی، (۸) تاریخ ابن عساکر۔

طبقۂ خامسہ:

۵- طبقۂ خامسہ، اس طبقہ میں ان کتابوں کا تذکرہ ہے جن میں موضوع روایتوں کو ذکر کیا گیا ہے، اوران کے پیش نظر موضوع روایت ہی جمع کرنا ہے، چنانچہ اس مقصد کو سامنے رکھ کر بھی کام کرنے والے بہت ہیں، اس طبقہ کی کتب یہ ہیں، (۱) اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ للسخاویؒ، (۲) الفوائد المجموعۃ للشوکانیؒ، (۳) موضوعات کبیر لملا علی القاریؒ، (۴) کشف الخفاء فی مزیل الالباس للعجلونیؒ، (۵) تذکرۃ الموضوعات للعلامۃ طاہر الفتنیؒ اس کے علاوہ اور بھی کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

مذاہب ائمہ صحاح ستہ:

حضرات ائمہ صحاح ستہ کے مذاہب مختلف ہیں، اس لئے ترتیب وار تفصیل کے ساتھ ہر ایک کا مذہب سماعت فرمایئے:

امام بخاری کا مذہب:

۱- حضرت امام بخاریؒ، امام بخاریؒ کے مذہب کے سلسلہ میں تین قول ملتے ہیں،

(ا) آپ غیر مقلد تھے، اس کے قائل جمیع حضرات غیر مقلدین ہیں۔ مگر یہ قول قابل اعتماد نہیں اس لئے کہ غیر مقلدین امام بخاری ہی کو نہیں بلکہ صحاح ستہ کے سارے مصنفین کو وہ غیر مقلد کہتے ہیں، کہتے ہی نہیں بلکہ اس کے لئے سعی ناتمام کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

امام بخاری شافعی تھے:

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ امام بخاری شافعی المذہب ہیں، جیسا کہ علامہ تاج الدین سبکیؒ نے اس کا تذکرہ کیا ہے، نیز حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے الانصاف میں اسی کو ذکر فرمایا ہے، اس کے علاوہ اور دیگر بہت سے محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں انہیں شافعی المذہب نقل کیا ہے۔

امام بخاری کے شافعی ہونے کی دلیل:

جو حضرات کہتے ہیں کہ وہ شافعی المذہب تھے وہ دلیل میں یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے علامہ کرابیسی اور علامہ زعفرانی سے حدیثیں سنی ہیں، اس کے علاوہ اور بہت سے حضرات محدثین من الشافعیۃ سے احادیث کی سماعت منقول ہے، لہٰذا آپ شافعی المذہب ہیں، اسی وجہ سے علامہ ابو عاصمؒ نے آپ کو طبقات الشوافع میں ذکر کیا ہے۔

امام بخاری کے شافعی ہونے کی دلیل پر اعتراض:

مگر یہ دلیل چنداں لائق اعتماد نہیں اس لئے کہ کسی کے استاذ کے شافعی، یا حنفی، یا حنبلی ہونے سے اس کا شافعی، یا حنفی یا حنبلی ہونا لازم نہیں آتا، اس لئے کہ اگر یہ بات لازم ہوتی تو ان حضرات کا کہنا برحق ہوگا جو کہ کہتے ہیں کہ امام بخاری حنفی تھے، اس لئے کہ جن حضرات سے انہوں نے احادیث سنی ہیں وہ اکثر حنفی تھے، یا ان کے استاذ حنفی تھے، مثلاً یحیٰ بن سعید القطان، عبد اللہ بن المبارک، یہ حضرات ان کے شیوخ یا شیوخ الشیوخ میں ہیں، اور یہ سب حنفی ہیں، اسی لئے امام بخاریؒ کی ثلاثیات کے راوی اکثر حضرات حنفی ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ امام بخاری حنبلی تھے:

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ امام بخاری حنبلی تھے چنانچہ بعض حضرات اس کے قائل ہیں، دلیل میں یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے تقریباً آٹھ مرتبہ بغداد کا سفر کیا امام احمدؒ سے ملاقات کی اور احادیث سنین، آخری ملاقات میں امام احمدؒ نے ان سے گہرے تعلقات کا اظہار کیا، مگر اس سے بھی حنبلی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

امام بخاری کے مسلک کے بارہ میں تحقیقی قول:

تحقیقی قول یہ ہے کہ امام بخاریؒ مجتہد تھے، مگر ان کا شمار مجتہدین متبوعین میں

نہیں ہے اسی وجہ سے امام ترمذیؒ نے جو ان کے شاگرد ہیں ان کا کوئی قول بیان نہیں کیا ہے، حالانکہ اور ائمہ کے اقوال نقل کئے ہیں، البتہ جرح حدیث میں ان کے اقوال نقل کئے ہیں، آپ مجتہد ہیں، مگر مجتہدین متبوعین میں آپ کا شمار نہیں ہے، آپ کے مجتہد فیہ مسائل میں سے نصف مسائل احناف کے مطابق ہیں اور نصف مسائل دیگر ائمہ کے مسائل کے موافق ہیں، اتنی بات پر اگر ہم انہیں حنفی کہیں تو کہہ سکتے ہیں مگر ہم انصاف کرتے ہیں۔

امام مسلم کا مسلک:

۲- امام مسلمؒ، حضرت امام مسلمؒ کے مسلک کے سلسلہ میں بھی محدثین کا اختلاف ہے، دو قول ملتے ہیں (۱) آپ مسلکاً شافعی ہیں، (۲) آپ مسلکاً مالکی ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے:

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''لا أعلم مذهبه على التحقيق''۔ تحقیقی طور پر ہمیں ان کا مسلک معلوم نہیں اسلئے کہ امام مسلمؒ نے متعدد طرق سے روایات کے جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، باقی ائمہ کے مذاہب کے بیان کا ذمہ نہیں لیا ہے، بایں وجہ کہیں کوئی مسلک بیان نہیں کرتے، اس کے علاوہ انہوں نے اپنی کتاب میں تراجم بھی نہیں قائم کئے کہ کچھ اندازہ لگایا جائے، اوران سے کوئی فیصلہ کیا جائے، یہ تراجم جو ہیں وہ بعد والوں کے ہیں، ہاں ایک مسئلہ میں وہ کچھ کھلے ہیں،

وہ مسئلہ قراءت خلف الامام کا ہے، اور وہ کھلنا کچھ اس انداز کا ہے کہ سنار کی سو اور لوہار کی ایک، الحاصل علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے قول کے مطابق ان کا مسلک معلوم نہیں، ویسے عام حضرات محدثین انہیں مالکی قرار دیتے ہیں، شافعی ہونے کا بھی قول ملتا ہے۔

امام ابوداؤد کا مسلک:

۳- امام ابوداؤد، ان کے مسلک کے بارے میں بھی اختلاف ہے، دو قول ملتے ہیں، (۱) آپ شافعی تھے، (۲) آپ مسلکاً حنبلی تھے۔

حضرت شیخ کا رجحان:

ان دونوں اقوال میں سے قول ثانی کی طرف حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا میلان ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ ان کے تراجم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حنبلی تھے اس کے علاوہ ائمہ حنابلہ نے آپ کو طبقات حنابلہ میں شمار کیا ہے اس کے علاوہ اور دیگر قرائن وشواہد کے پیش نظر حضرت شیخ کی رائے یہ ہے کہ آپ حنبلی تھے۔

امام ترمذی کا مسلک:

۴- حضرت امام ترمذیؒ، امام ترمذی کے بارے میں علماء محققین کے دو قول ملتے ہیں، (۱) آپ مجتہد تھے، اس کے قائل سارے غیر مقلدین اور اہل حدیث حضرات ہیں، نیز کچھ اسی انداز کی بات شاہ ولی اللہ، اور علامہ ابن تیمیہ اور ان کے

علاوہ اور دیگر حضرات محدثین نے بھی لکھی ہے کہ جس سے ان کا مقلد نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، بعض حضرات اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بیان کرتے ہیں کہ آپ اہل حدیث تھے، چنانچہ ترمذی شریف میں ذکر کردہ چند الفاظ سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے ان الفاظ کی اپنے موقع پر انشاء اللہ نشاندہی کردی جائے گی۔

حضرت شیخ کی رائے:

لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے جیسا کہ حضرت شیخ نے تصریح کی ہے کہ امام بخاری کے علاوہ صحاح ستہ کے مصنفین میں سے کسی کو مجتہد کہنا صحیح نہیں، ہاں امام بخاریؒ کے تراجم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجتہد ہیں۔ بخلاف اس کے امام ترمذیؒ کو غیر مقلد یا مجتہد کہنا صحیح نہیں، ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مجتہد فی المذہب ہیں، اور بعض جزئیات میں وہ متفرد ہیں، اس کے بعد انہوں نے استنباط مسائل کیا، اور وہ مسئلہ دوسرے حضرات کے مسالک کے مطابق ہوگیا، اس سے مجتہد یا غیر مقلد نہیں کہا جاسکتا۔ (۲) امام ترمذیؒ شافعی تھے۔

حضرت شاہ صاحب کا میلان:

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا میلان اسی طرف ہے، جیسا کہ فیض الباری اور العرف الشذی میں موجود ہے اور جیسا کہ علامہ بنوریؒ نے ذکر کیا ہے، یہی اکثر حضرات محدثین کا قول ہے، اسی کی تائید ترمذی شریف میں ذکر کردہ مسائل سے ہوتی ہے کہ

انہوں نے مشہور مسائل میں سے صرف مسئلہٗ ابراد بالظہر میں امام شافعیؒ کی مخالفت کی ہے، اس کے علاوہ سارے مسائل میں ان کی موافقت کی ہے، جس سے شافعی ہونا پتہ چلتا ہے، بایں وجہ ان کے مسلک کے بارے میں مشہور اسی کو بتایا جاتا ہے۔

امام نسائی کا مسلک:

۵-امام نسائیؒ، ان کے مسلک کے بارے میں بھی اختلاف ہے، دو قول ملتے ہیں (۱) آپ مسلکاً شافعی ہیں (۲) آپ مسلکاً حنبلی ہیں، لیکن ان دونوں میں سے ترجیح کس کو حاصل ہے، اس بات کی تصریح اپنے اکابر کے یہاں نہیں ملتی، بہر حال ان کے بارے میں یہ دونوں مسلک مشہور ہیں۔

ابن ماجہ کا مسلک:

۶-ابن ماجہ، صاحب ابن ماجہ کے بارے میں حضرات محدثین تصریح کرتے ہیں کہ علی التعیین آپ مسلکاً حنبلی ہیں، جیسا کہ امام طحاویؒ علی التعیین حنفی ہیں۔

فضائل ترمذی شریف:

یعنی یہ کتاب جو آپ حضرات کے سامنے ہو جسے آپ پڑھنے جا رہے ہیں اس کی حیثیت علماء محدثین و محققین کی نظر میں کیا ہے؟ مرتبہ کے اعتبار سے اس کا کیا مقام ہے؟ کسی بھی کتاب کا مرتبہ و مقام جب معلوم ہو جاتا ہے تو اس سے اس کی

اہمیت معلوم ہوجاتی ہے، اور اسی اعتبار سے اس سے لگاؤ بھی ہوتا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترمذی شریف کے فضائل پر اجمالاً گفتگو کی جائے، ترمذی شریف کے بارے میں علماء محققین اور حضرات محدثین سے بہت سے جملے ایسے ملتے ہیں جو اس کی تعریف پر مشتمل ہیں اور ان جملوں سے اس کتاب کی اہمیت معلوم ہوتی ہے ان میں سے چند کو ہم ذکر کریں گے۔

ترمذی شریف کی علماء حجاز، عراق، خراسان نے تحسین کی:

۱- علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں امام ترمذی ہی کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ میں نے جب یہ کتاب لکھی تو لکھنے کے بعد اس کتاب کو اہل حجاز پر پیش کیا، فرضوا بہ، انہوں نے اسے پسند کیا، نیز اہل عراق پر پیش کیا انہوں نے بھی اسے پسند کیا، نیز اہل خراسان پر پیش کیا انہوں نے بھی اسے پسند کیا، گویا کہ تین بلاد کے علماء محققین ومحدثین کی طرف سے اس کتاب کو خراج تحسین حاصل ہے، ان سارے حضرات نے امام ترمذیؒ کو خراج تحسین پیش کیا، اور اس کتاب کو تحسینی نگاہ سے دیکھا اس سے اہم بات وہ ہے جو امام ترمذی ہی سے منقول ہے، اسے بھی علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کیا ہے۔

ترمذی کی ایک خصوصیت:

اس کے علاوہ شراح نے بھی اسے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: ”من کان فی

بیتہ ھذا الکتاب، فکأنما فی بیتہ نبی یتکلم“ ،یعنی جس کے گھر میں ترمذی شریف ہوتو گویا کہ اس کے گھر میں حضورﷺ تشریف فرما ہیں، اور بذات خود رشد وہدایت کی گفتگوفرمارہے ہیں، اس جملہ نے اس کتاب کی رفعت میں مزید چار چاند لگادیا، اس لئے کہ یہ جملہ کوئی معمولی جملہ نہیں ہے۔

علامہ ابن الاثیر کی تحسین:

۲-صاحب جامع الاصول، علامہ ابن الاثیرؒ فرماتے ہیں:”إن ھذا الکتاب أحسن الکتب وأکثرھا فائدۃ وأحسنھا ترتیباً وأقلھا تکراراً“ کہ یہ کتاب یعنی ترمذی شریف ساری حدیث کی کتابوں میں عمدہ اور بہترین ہے، نیز فائدہ کے اعتبار سے بہت ہی بڑھی ہوئی ہے،اس کے علاوہ ترتیب کے اعتبار سے بہت اچھی ہے، اور تکرار تو بہت ہی کم ہے، علامہ ابن الاثیر نے لفظ اقل استعمال کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ کتاب بھی تکرار سے خالی نہیں، البتہ دیگر کتب حدیث کی بنسبت اس میں تکرار کم ہے، جیسا کہ مکررات ابواب وحدیث کے عنوان سے مقدمۃ الکتاب کے آخر میں بات آئے گی۔ بہرحال علامہ ابن الاثیر کے اس جملہ سے بھی آپ حضرات ترمذی شریف کے مرتبہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں، اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، جس چیز کا امام ترمذیؒ نے التزام کیا ہے، وہ چیز اس کے علاوہ صحاح ستہ کی اور کسی کتاب میں نہیں ہے، مثال کے طور پر اختلاف ائمہ کو بیان کرنا، راوی کے نام کے ساتھ اس کی

کنیت، اور اگر کنیت ہو تو نام بتانا، اس کا قدرے تعارف کرانا، اس کے بارے میں جرح وتعدیل کے الفاظ کی تصریح کرنا، روایت کی تصحیح وتحسین وتغریب کرنا، اس کے علاوہ اگر اس کے اندر کوئی علت ہے اسے بیان کرنا یہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن میں امام ترمذیؒ منفرد ہیں، دیگر حضرات کی کتابوں میں یہ بات نہیں ملتی۔

ابو اسماعیل الہروی کی تحسین:

۳- شیخ ابو اسماعیل الہرویؒ کے سامنے ترمذی شریف کا تذکرہ آیا، توانہوں نے اس کے بارے میں کہا کہ ”وھی أفید عندی من کتاب البخاری، ومسلم أو کما قال“، یعنی ترمذی شریف میرے نزدیک بخاری ومسلم سے زیادہ مفید ہے، عمومی فائدہ جتنا اس میں ہے اتنا بخاری ومسلم میں بھی نہیں، اس لئے کہ بخاری شریف سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو محدث ہو اور اسے حدیث میں مہارت تامہ حاصل ہو، بخلاف ترمذی شریف کے کہ اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے باب حدیث میں مہارت تامہ اور تبحر کا ہونا ضروری نہیں، نیز اس کے لئے فقیہ ہونا لازم نہیں، بلکہ خواہ محدث ہو یا فقیہ ہر ایک انتہائی سہولت کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس لئے کہ امام ترمذیؒ نے جو ترتیب اور طریقہ اختیار کیا ہے وہ انتہائی سہل الحصول ہے۔

علامہ اشبیلی کی رائے:

۴- محمد بن عبد اللہ الاشبیلی یعنی ابوبکر بن العربی، صاحب عارضۃ الاحوذی،

فرماتے ہیں کہ کتب حدیث میں پہلے نمبر پر موطا امام مالک ہے، اور دوسرے نمبر پر اصل ثانی کہہ کر امام جعفیؒ کی کتاب یعنی بخاری شریف کو بیان کیا ہے، گویا کہ ان کے یہاں اولیت کا مقام موطا امام مالک کو حاصل ہے، اور بخاری شریف دوسرے درجہ میں ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ انہیں دونوں کتابوں کو بنیاد بنا کر علامہ قشیری اور امام ترمذی اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے کام کیا ہے، گویا بنیادی کتابیں بخاری شریف اور موطا مالکؒ ہیں، لیکن خود ابن العربی فرماتے ہیں کہ جو چیز ترمذی شریف میں ملتی ہے وہ بخاری شریف اور موطا مالکؒ میں نہیں ملتی، یعنی ایسی حلاوت جو اول تا آخر باقی رہنے والی ہو اور ایسی سلاست بیانی جو دلوں کو کھینچنے والی ہو، اور ایسی عذوبت ومٹھاس جو جاذب قلب ہو، اس سے لگاؤ اور تعلق پیدا کرنے والی ہو، یہ بات صرف ترمذی شریف میں ہے بخاری شریف اور موطا میں نہیں، اس فرمان کا حاصل یہ ہے کہ امام ترمذیؒ کا انداز بیان اول تا آخر ایک ہے اور اس کے علاوہ ان کی ترتیب جس سے یہ سہل الحصول بن گئی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کی طبیعت ترمذی کی طرف مائل ہوتی ہے۔ یہ بات از اول تا آخر ہے، یہ نہیں کہ چند اوراق میں نفاست ولطافت ومٹھاس ہو اور اس کے بعد یہ چیز ختم ہو جائے، اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ ہر جگہ شروع میں آسمان وزمین کے قلابے ملائے جاتے ہیں اور دوسرے وتیسرے آسمان کے تارے توڑے جاتے ہیں، اور آخر میں جب اسّی (۸۰) کی رفتار سے گاڑی چلتی ہے، تو تارے غائب ہو جاتے ہیں اور بعض حضرات کی طبیعت نہیں لگتی جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ ابتداء میں طلباء میں شوق ہوتا ہے

اس لئے کہ تمام اساتذہ کی تقریر، ابتداءً مٹھاس لئے ہوتی ہے، برخلاف اس کے کہ وہ رجب وشعبان میں اپنے کو کتب خانہ کے حوالہ کردیتے ہیں اور امتحان کی تیاری کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ ہم مطالعہ سے حاصل کرسکتے ہیں، مگر یہ خام خیالی ہے اس سے حدیث کی برکت جو ختم ہوتی ہے اس کا انہیں احساس نہیں اگر احساس ہوتو ایسا نہ کریں مگر قوتِ فکریہ کی کمی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔

شیخ بیجوری کی رائے:

۵- شیخ بیجوریؒ ترمذی شریف کے فضائل پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "**هو كاف للمجتهد، مغني لغير المقلدين**" کہ یہ مجتہدین کے لئے کافی ہے، غیر مقلدین کو دیگر کتب سے بے نیاز کردینے والی ہے، اس لئے کہ سارے ائمہ کے اقوال ودلائل اس میں موجود ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے:

٦- شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ اغراض مصنفین صحاح ستہ کو بیان کرتے ہوئے ترمذی شریف کے فضائل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ امام ترمذی اگرچہ اپنی غرض کے اعتبار سے امام بخاری ومسلم وابوداؤد سے الگ ہیں، مگر اپنی جامعیت اور خاص ترتیب وانداز بیان واسلوب ذکر سے سب پر حاوی ہیں اور ان کی کتاب سب کو شامل ہے، یہی نہیں بلکہ بعض خصوصیات کے اعتبار سے اس کا مقام

سب سے بڑھ جاتا ہے، چنانچہ میں نے بھی ترتیب بین الصحاح الستہ باعتبار تعلیم کے اندر بتایا تھا کہ اکابرین کے یہاں درس میں اسے اولیت حاصل تھی، اس سے بھی آپ اس کی شرافت ومرتبت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی رائے:

۷-حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ”هو أحسن من جميع الكتب بوجوه“۔یعنی ترمذی شریف حدیث کی تمام کتابوں میں چند وجوہ سے بہتر ہے، اور وہ وجوہ وہی ہیں جن کا ذکر میں کر چکا ہوں، یعنی یہ کہ امام ترمذیؒ نے چند ایسی چیزوں کے بیان کا التزام کیا ہے جن کا التزام دیگر حضرات محدثین نے نہیں کیا ہے اس کی وجہ سے یہ کتاب دیگر کتب سے ممتاز ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ اور بھی فضائل ومناقب وشمائل وخصائل ہیں، مگر ہم ان سات پر اکتفاء کرتے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ ترمذی شریف بعض، بلکہ اکثر حضرات کے قول پر بخاری ومسلم پر فوقیت رکھتی ہے اگر چہ صحت کے اعتبار سے یہ بخاری ومسلم پر فائق نہیں جیسا کہ ذکر کر چکا ہوں۔

۱۰-شرائط تخریج ائمہ صحاح ستہ:

اس بحث کا حاصل ان شرائط کو بیان کرنا ہے جن کو محدثین صحاح ستہ نے اخذ روایات میں ضروری ولازم قرار دیا ہے اور ان شرائط کے تحت جو روایت آئی ہے اسی کو ان حضرات نے لیا ہے اور باقی کو ترک کر دیا ہے۔

علامہ حازمی کا ارشاد:

علامہ حازمیؒ اور اس کے علاوہ دیگر حضرات محدثین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرات تابعین کی کتابوں کے تتبع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات نے اخذ روایات کے سلسلہ میں کسی خاص شرط کا التزام نہیں کیا ہے اس لئے کہ ان حضرات میں سے کسی نے بھی کہیں اس بات کی تصریح نہیں کی ہے کہ میں نے اس کتاب میں روایات کو اس شرط کے تحت لیا ہے ویسے ان حضرات کی کتابوں کو دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کچھ شرائط ضرور ہیں جن کے تحت ان حضرات نے روایت کی تخریج کی ہے۔

امام بخاری و مسلم کے یہاں اخذ روایت کی دو شرطیں ہیں:

ویسے اصحاب صحاح ستہ میں امام بخاری اور امام مسلم کے بارے میں تو حضرات محدثین کے یہاں یہ بات بہت مشہور ہے کہ امام بخاریؒ کے یہاں اخذ روایات کے لئے دو شرطیں ہیں، اور امام مسلمؒ کے یہاں بھی وہی دو شرطیں ہیں البتہ دوسری شرط میں ان کے یہاں اتنا تشدد نہیں جتنا امام بخاری کے یہاں ہے۔

راوی کے اندر دو صفات ہوتے ہیں:

ان شرائط کو سننے سے پہلے ایک بات ذہن نشیں کرلیں کہ ہر روایت میں

راوی کے اندر دو چیزیں ہوا کرتی ہیں: (۱) اس کی اپنی حیثیت اور ذاتی جوہر یعنی اس کا حافظ، ومتقن، وثقہ، وعادل ہونا، (۲) اور دوسری چیز تعلق شیخ ہے، یعنی اس کا تعلق اس کے شیخ کے ساتھ کیسا رہا ہے، آیا زیادہ دنوں تک یا تھوڑے دنوں تک صرف سفر میں یا صرف حضر میں یا دونوں جگہ، ان دونوں چیزوں کے ملحوظ رکھنے کے بعد سنیئے کہ:

راوی کی پانچ قسمیں ہیں:

ائمہ صحاح ستہ کی کتابوں کے دیکھنے سے جو بات معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ راوی کی پانچ قسمیں ہیں، (۱) کثیر الحفظ والاتقان مع کثیر الملازمۃ بالشیخ، (۲) کثیر الحفظ والاتقان مع قلیل الملازمۃ بالشیخ، (۳) قلیل الحفظ والاتقان مع کثیر الملازمۃ بالشیخ، (۴) قلیل الحفظ والاتقان مع قلیل الملازمۃ بالشیخ، (۵) قلیل الحفظ والاتقان مع قلیل الملازمۃ بالشیخ مع الجرح علیہ۔

امام بخاری کے شرائط اخذ حدیث:

حضرت امام بخاریؒ (۱) کی ساری روایتوں کو بالاستیعاب لیتے ہیں، یعنی جو راوی کثیر الحفظ والاتقان مع کثیر الملازمۃ بالشیخ ہو، اور (۲) سے بہت کم بدرجۂ مجبوری روایت لیتے ہیں، یعنی جو راوی کثیر الحفظ والاتقان ہو لیکن شیخ کے ساتھ اس کی ملازمت کم ہو۔

امام مسلم کے شرائطِ اخذ حدیث:

امام مسلم (۱،۲) کی روایتوں کو بالاستیعاب لیتے ہیں یعنی کثیر الحفظ والاتقان مع کثیر الملازمۃ بالشیخ، وکثیر الحفظ والاتقان مع قلیل الملازمۃ بالشیخ، اور (۳) کی روایتوں کو کبھی کبھی بدرجۂ مجبوری لے لیتے ہیں، اس لئے کہ ان کے یہاں حضرت امام بخاری کی طرح لقاءِ شیخ ضروری نہیں، بلکہ اخذ روایت کے لئے معاصرت بھی کافی ہے۔

امام ابوداؤد کے شرائطِ اخذ حدیث:

(۳) امام ابوداؤد، حضرت امام ابوداؤد (۱،۲،۳) کی روایتوں کو بالاستیعاب لیتے ہیں اور (۴) کی روایتوں کو کبھی کبھی بدرجۂ مجبوری لے لیتے ہیں۔

امام ترمذی کے شرائط:

(۴) امام ترمذی، امام ترمذی (۱،۲،۳،۴) کی روایتوں کو بالاستیعاب لیتے ہیں اور (۵) کی بھی روایتیں کبھی کبھی لے لیتے ہیں۔

امام نسائی کے شرائط:

(۵) حضرت امام نسائیؒ امام ابوداؤد کے ساتھ ہیں۔

ابن ماجہ کے شرائط:

(٦) اور ابن ماجہ کے یہاں گویا کہ کوئی شرط ہی نہیں، اسی وجہ سے حضرات محدثین نے ان کے لئے کسی شرط کا ذکر نہیں کیا ہے۔

١١- حضرت امام ترمذیؒ کے مختصر حالات:

امام ترمذیؒ کا نام نامی محمد ہے، والد کا نام عیسی، دادا کا نام سورہ ہے، آپ کی کنیت ابوعیسی ہے، جس کو خود امام ترمذیؒ بھی ترمذی شریف میں کثرت سے استعمال کرتے ہیں، سلسلہ نسب یوں ہے، ابوعیسی محمد بن عیسی بن سورہ ابن ضحاک اسلمی البوغیؒ۔

امام ترمذی کی پیدائش:

امام ترمذیؒ کی پیدائش ٢٠٩ھ میں مقام ترمذ میں ہوئی آپ کو علامہ سمعانیؒ کی تصریح کے مطابق بوغی، اور جمہور محدثین کے مابین شہرت کے مطابق ترمذی کہا جاتا ہے بوغ ترمذ سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے بوغی کہا جاتا ہے، اور قبیلہ سلیم سے نسبت کی وجہ سے سلمی کہا جاتا ہے۔

وفات:

جمہور محدثین کی تصریح کے مطابق ٢٧٩ھ میں آپ کا انتقال ترمذ ہی میں ہوا،

اسی وجہ سے آپ ترمذی کے ساتھ مشہور ہیں۔

ترمذی کے تلفظ کے بارے میں اقوال مختلفہ:

ترمذی کے تلفظ کے بارے میں اختلاف ہے کہ صحیح لفظ کیا ہے، چار قول ہیں (۱) ترِمذِ یعنی بکسر التاء والمیم ، یہی طلباء واساتذہ ومحدثین کے درمیان ایک زمانہ سے مشہور ہے، (۲) بضمتین یعنی بضم التاء والمیم ،تُرمُذ، (۳) بفتح التاء وکسر المیم ،تَرمِذ، یہی لغت ان حضرات کے یہاں مشہور ہے جو اس مقام کے رہنے والے ہیں، (۴) بکسر التاء وضم المیم ،یعنی ترِمُذ ،لیکن ان چاروں میں شہرت اول ہی کو حاصل ہے۔

اور اسی مقام کی طرف نسبت کرتے ہوئے امام ترمذیؒ کو امام ترمذی اور کتاب کو ترمذی شریف کہتے ہیں۔

مقام ترمذ کا تعارف:

مقام ترمذ نہر جیحون کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے وہ جگہ ایک زمانہ میں، ارباب علم وفضل وکمال کا گہوارہ تھی، اور بڑے عظیم الشان علماء ومحدثین اس جگہ پیدا ہوئے ،انہیں ناموافراد میں سے امام ترمذی بھی ہیں، جنہوں نے باب حدیث میں یہ عظیم الشان خدمت انجام دی اور قیامت تک کے لئے اپنی یادگار چھوڑ گئے۔

امام ترمذی کے اساتذہ:

حضرت امام ترمذیؒ نے علم حدیث بہت سے حضرات محدثین سے حاصل کیا، لیکن ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر حضرت امام بخاری، اور حضرت امام مسلم وابوداؤد ہیں، یہ تینوں حضرات امام ترمذی کے خاص استاذ ہیں، لیکن جو مقام ان کے یہاں امام بخاریؒ کو حاصل تھا وہ کسی کو حاصل نہ تھا، اسی وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ امام بخاریؒ نے جس طریقہ پر ان کی بہت تعریف کی ہے یہ بھی ان کے بڑے مداح تھے، یعنی تعلق دونوں طرف سے تھا۔

امام بخاری کا امام ترمذی کے بارے میں ارشاد:

امام بخاریؒ کا ان کے بارے میں یہ مقولہ بہت مشہور ہے جسے اکثر حضرات محدثین نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے امام ترمذیؒ سے کہا کہ ”ما انتفعتُ بک أکثر من ماانتفعتَ بی“۔ یعنی جتنا فائدہ تم نے مجھ سے حاصل کیا ہے اس سے کہیں زیادہ فائدہ میں نے تم سے حاصل کیا ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی امام بخاری کے قول کی توجیہ:

علامہ انور شاہؒ اس جملہ کی وضاحت اس طور پر فرماتے تھے جیسا کہ علامہ بنوریؒ نے نقل کیا ہے کہ جس طرح طالب علم کی خواہش ہوتی ہے کہ میرا استاذ وحید دھر

وفرید عصر ہو، سحبان ہند وبلبل ہند ہو، اور سارے علوم میں اسے تبحر ومہارت ہو کسی فن میں اس کے یہاں پہنچ کر تشنگی نہ ہو، وغیر ذلک، اسی طرح اساتذہ کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ طلباء چوپٹ ناتھ گردھاری ہونے کے بجائے حافظ، متقن، وقاد ذہن ہوں، انہیں فن سے لگاؤ ہو، مطالعہ کا شوق ہو، بات کی قدر ہو، وغیر ذلک، اور یہاں پر دونوں طرف سے دونوں باتیں حاصل تھیں، جس طرح امام بخاریؒ اپنی جگہ امام تھے اسی طرح امام ترمذیؒ بھی ذہین، متقن، حافظ اور ذوق مطالعہ رکھنے والے تھے، بات سمجھ کر پڑھتے تھے، اور جب طلباء کے اندر یہ ذوق ہوتا ہے تو استاذ کو بھی محنت زائد کرنی پڑتی ہے اور ان کے اشکالات سے بہت سی چیزیں نکلتی ہیں، اور حاصل ہوتی ہیں، برخلاف اس کے اگر طلباء محنت نہ کریں تو استاذ بھی سرسری طور پر پڑھا دیتا ہے اور مطالعہ نہیں کرتا کہ کون مغز ماری کرے، الحاصل امام ترمذیؒ کے شوق وجذبۂ مطالعہ کی وجہ سے امام بخاریؒ کو وہ باتیں بھی دیکھنی پڑتی تھیں جو اگر یہ نہ ہوتے تو نہ دیکھتے اور بہت سی باتیں نہ کھلتیں اگر یہ نہ ہوتے، بایں وجہ فرمایا کہ "**ما انتفعت بک أکثر من ما انتفعت بی**"۔

اس تعلق خاص کی وجہ سے امام ترمذی امام بخاری کے علوم کے جانشین بنے:

امام ترمذیؒ کے اسی تعلق ولگاؤ کی بناء پر محدثین نے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ دنیا سے رخصت ہوگئے، مگر خراسان میں اپنا خلیفہ چھوڑ گئے کہ ان کے جیسا کوئی اور صحیح جانشیں اور خلیفہ نہ تھا، بہر حال باب حدیث میں اپنے استاذ امام بخاریؒ سے مناسبت

کی وجہ سے اللہ رب العزت نے انہیں خوب نوازا اور حدیث کی خوب خدمت کی، علم حدیث کی نشر واشاعت کے لئے خراسان، ری، واسط، وغیرہ بہت سے مقامات کا سفر کیا، اوران حضرات کو جو حدیث کے طالب علم تھے ان کو علم حدیث کی تعلیم دی، اور آپ ﷺ کے اقوال کو سنا کران کی پیاس کو بجھا کر واپس تشریف لائے، امام ترمذیؒ کے اندر جہاں بہت سے کمالات تھے۔

امام ترمذی حافظہ میں ضرب المثل تھے:

وہاں سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ آپ قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے، چنانچہ محدثین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ایک زمانہ تھا کہ قوتِ حافظہ میں امام ترمذی ضرب المثل تھے، اگر کسی کو کسی کے قوت حافظہ کے بارے میں زوردار انداز میں بیان کرنا ہوتا تو کہتا کہ یہ تو اپنے زمانہ کا ترمذی ہے، چنانچہ ان کے حیرت انگیز واقعات میں قوۃ حفظ کا ایک واقعہ یہ ہے جسے حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں اور دوسرے حضرات محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ:

امام ترمذی کے حافظہ کا ایک واقعہ:

امام ترمذی نے ایک شیخ کے دو اجزاء لکھے تھے، مگر انہیں سنانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں اچانک ان سے ملاقات ہوگئی، امام ترمذی

نے اس ملاقات کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر سوچا کہ لاؤ لگے ہاتھ انہیں ہم یہ دونوں اجزاء سنا دیں، اس اعتماد پر کہ میرے پاس دونوں اجزاء ہیں، انہوں نے شیخ سے سماعت کی درخواست کردی، اور شیخ نے منظور کرلیا، مگر باوجود کثیر تتبع کے وہ اجزاء نہ ملے، وہاں دیگر اجزاء تھے، اب بجائے اس کے کہ وہ معذرت کرتے، سادے دو کاغذ لاکر شیخ کے پاس بیٹھ گئے، شیخ نے یہ سمجھ کر یہ اجزاء لائے ہیں، سنانا شروع کردیا، اچانک کاغذ کی طرف نظر پڑی تو دیکھا کہ وہ سادے کاغذ ہیں، اور اس میں کچھ لکھا نہیں ہے غصہ ہوئے، اور کہا کہ تم میرا مذاق اڑاتے ہو، اس کے بعد امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ حضرت یہ واقعہ ہے، ویسے جو آپ نے سنایا وہ مجھے محفوظ ہے اور یاد ہے اس پر شیخ کو تعجب ہوا، انہوں نے کہا کہ سناؤ، انہوں نے اسی ترتیب پر پھر سنا دیا، اس کے بعد شیخ نے مزید اعتماد کے لئے اپنی چالیس غریب حدیث سنائی، چنانچہ امام ترمذیؒ نے اسے بھی سنا دیا، جس کی وجہ سے جہاں انہیں ان کے حفظ پر اعتماد کامل حاصل ہوا وہیں تعجب میں بھی اضافہ ہوا اور حیرت زدہ رہ گئے۔ الحاصل امام ترمذیؒ بڑے قوۃ حافظہ کے مالک تھے، بایں وجہ انہوں نے باب حدیث میں وہ کام انجام دیا جو دوسرے حضرات نہ کرسکے۔

امام بخاری کا امام ترمذی سے دو روایتیں لینا:

امام ترمذیؒ کی جلالت شان کا اندازہ اس سے بھی آپ لگا سکتے ہیں کہ امام

بخاریؒ جیسے محدث نے اپنے اس تلمیذ سے دو روایت لی ہے جسے امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف میں بھی ذکر کیا ہے پہلی روایت ترمذی شریف (۱۶۳/۱) پر موجود ہے، اور دوسری روایت ترمذی شریف (۲۱۴/۲) پر موجود ہے، ابواب المناقب میں باب مناقب علیؓ کے تحت خود امام ترمذیؒ نے اس کی تخریج کے بعد لکھا ہے کہ ”هٰذَا مَا سَمِعَهُ مِنِّیْ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ الْبُخَارِیُّ، فَاسْتَغْرَبَهُ“، یہ وہ روایت ہے جسے ہم سے محمد بن اسماعیل بخاری نے سنا اور پسند کیا۔

اسی وجہ سے بعض حضرات نے امام ترمذیؒ کے تلامذہ کی فہرست میں امام بخاریؒ کا بھی نام لکھ دیا ہے، اس لئے کہ امام بخاریؒ اگر چہ من کل الوجوہ ان کے استاذ ہیں، مگر ان دو روایتوں میں ان کے شاگرد ہیں۔

امام ترمذی کا امام بخاری سے زیادہ تر روایات لینا:

ویسے امام بخاریؒ کے حوالہ سے امام ترمذی نے بہت سی روایات لی ہیں، البتہ امام مسلمؒ سے اگر چہ یہ بھی ان کے اساتذہ میں سے ہیں، صرف ایک روایت ہے جو ترمذی شریف (۱۸۷/۱) پر باب ہلال رمضان کے اندر موجود ہے، اس کے علاوہ ترمذی شریف میں ان کی سند سے روایت نہیں ملتی، امام ابوداؤد بھی ان کے شیوخ میں سے ہیں، مگر ترمذی شریف کے اندر ان کی سند سے ایک بھی روایت نہیں ہے اس کے علاوہ دیگر اساتذہ سے کثرت سے روایتیں ہیں، حاصل یہ ہے کہ امام ترمذیؒ اپنی جگہ

پر جلیل القدر محدث ہیں، حضرات محدثین نے اپنے اپنے انداز میں ان کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے، امام ترمذیؒ نے جہاں زبانی طور پر حدیث کی خدمت انجام دیا اور بہتوں تک آپ ﷺ کے اقوال وافعال واحوال پہنچایا، بلاد مختلفہ کا سفر کیا اور انہیں مستفیض کیا، اسی طرح تحریری طور پر ترمذی شریف لکھ کر اپنی یادگار قائم کردی، اگر چہ وہ اس وقت نہیں ہیں مگر ان کا نام بار بار آتا ہے۔

امام ترمذی کی دیگر تصنیفات:

ترمذی شریف کے علاوہ ان کی اور کتابوں کا بھی تذکرہ ملتا ہے، جس میں ''الاسماء والکنی'' اور کتاب ''العلل الکبری والصغری''، ''شمائل ترمذی''، ''تاریخ'' وغیرہ ہیں، مگر ترمذی شریف کو شہرت حاصل ہے۔

شمائل ترمذی کا ختم دفع مصائب کے لئے مجرب ہے:

اگر چہ شمائل کے سلسلہ میں شاہ عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ مہمات ومصائب میں اس کا پڑھنا مجرب ہے، اس طرح شمائل ترمذی، بخاری شریف کے ہم پلہ ہے کہ اس کا پڑھنا بھی مہمات میں مجرب ہے، جیسا کہ ابوحمزہ اور دیگر حضرات سے منقول ہے، لیکن ترمذی شریف کو جو مقام حاصل ہوا، وہ ان کی کسی اور تصنیف کو نہیں ہے۔ اسی طرح جو خصوصیات اس میں ہیں وہ دیگر صحاح میں نہیں ملتیں۔

ابن الجوزی کا ترمذی پر تبصرہ:

جمہور محدثین اگرچہ اس کی تعریف کرتے ہیں اور مداح ہیں، مگر ابن الجوزی نے کہا کہ اس کی تئیس (۲۳) روایات موضوع ہیں، حافظ ابن حجر، اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے جم کر تعاقب کیا، اور ان کو جان بچانا مشکل ہو گیا۔

امام نووی کا ابن الجوزی پر تبصرہ:

امام نوویؒ نے فرمایا کہ ابن الجوزی اگرچہ محدث ہیں، مگر انہوں نے بعض جگہ صحاح وحسان کو بھی موضوع کہہ دیا، حدیث کو جتنا نقصان ابن الجوزی سے پہنچا حاکم سے نہیں پہنچا کہ انہوں نے تصحیح میں تساہل برتا ہے، اور غیر صحاح کو صحاح میں داخل کر دیا ہے، اور ابن الجوزی نے اپنے تشدد کے ذریعہ صحاح وحسان تک کو موضوعات میں داخل کر دیا، امام حاکمؒ کے تساہل کی وجہ سے غیر صحاح کے بارے میں صحت کا گمان ہونے لگتا ہے، مگر ابن الجوزی کی تنقید سے صحاح وحسان پر بھی وضع کا گمان ہونے لگتا ہے (اور اس کا نقصان پہلی صورت سے بڑھا ہوا ہے)۔

علامہ سیوطی کا ابن الجوزی کا تعاقب:

اسی وجہ سے علامہ سیوطیؒ نے ضرورت محسوس کی کہ ابن الجوزی نے جن روایات کے بارے میں ضعف ووضع کا حکم لگایا تھا ان کی تفتیش کی جائے اور ایک

کتاب لکھا جس کا نام ''الذب الحسن عن الکلام علی السنن'' رکھا اس کے علاوہ تعقبات کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی اوران روایات میں جہاں ابن الجوزی نے وضع کا حکم لگایا تھا، ان کا تعاقب کیا۔

الحاصل ابن الجوزی کا تیئیس (۲۳) روایات پر وضع کا حکم لگانا یہ صحیح نہیں۔

امام ترمذی کا زھد:

امام ترمذی کے زہد کا حال یہ تھا کہ روتے روتے آپ کی بینائی ختم ہوگئی تھی، اگر چہ ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مادرزاد نابینا تھے، یا بعد میں نابینا ہوئے، بعض حضرات انہیں ضریر اور بعض انہیں اکم کہتے ہیں، فیض الباری، اور العرف الشذی اور دیگر کتب حدیث میں ملتا ہے کہ آپ کی بینائی روتے روتے ختم ہوئی امام ترمذیؒ کی یہ کتاب اس معنی کر بھی اہم ہے کہ یہ جامع ہونے کے ساتھ سنن بھی ہے، ابواب ثمانیہ میں سے ہر ایک باب کی روایت انہوں نے لی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ فقہاء کی ترتیب بھی قائم کی جس سے یہ سنن بھی ہوگئی، اس طرح یہ بخاری ومسلم کے ہم پلہ ہے، ابواب ثمانیہ کے اعتبار سے، اور ابوداؤد وغیرہ کے ہم پلہ ہے ترتیب ابواب فقہیہ پر ہونے کے اعتبار سے۔

شروحات ترمذی:

ترمذی شریف کے اوپر بہت سے حضرات نے کام کیا ہے جن میں سے چند

حضرات کا ہم تذکرہ کرتے ہیں:

تذکرہ الکوکب الدرری:

۱- الکوکب الدری، یہ حضرت گنگوہیؒ کی تقریر کا مجموعہ ہے جسے مولانا یحییٰ صاحبؒ نے نوٹ کیا تھا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے مع حاشیہ اسے لکھ دیا ہے اس میں اکابرین کی باتیں ملتی ہیں۔

کوکب میں اکابرین کی بعض باتیں خاص طور پر ایسی ہیں کہ وہ دیگر شروح میں نہیں لیکن خاص طور سے اختلافات ائمہ اور خصوصاً احناف کی طرف سے جواب دہی میں بعض ایسی توجیہات مل جاتی ہیں جو دیگر شروح میں نہیں ملتیں۔

تذکرہ معارف السنن:

۲- معارف السنن، علامہ یوسف البنوری کی ترتیب کے ساتھ شائع شدہ ہے، اس کی چھ جلدیں ملتی ہیں، علامہ یوسف بنوریؒ نے ایک خاص نظریہ کے تحت یہ کام شروع کیا تھا وہ یہ کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تقریر العرف الشذی ایک شاگرد نے لکھا تھا، مگر اس میں غلطیاں تھیں، علامہ بنوری نے سوچا کہ شیخ کے اقوال کی شرح اور العرف الشذی کی اغلاط کی تصحیح کردیں، لیکن اس کی حیثیت مستقل شرح کی ہوگئی، یہ تمام شروح میں عمدہ ہے، علامہ بنوری کسی مقام پر تشنگی نہیں چھوڑتے، فقہاء احناف وغیرہ کی بات قدر ضرورت بدائع وغیرہ سے نقل کردیتے ہیں، کتاب الحج تک لکھ پائے

تھے کہ انتقال ہوگیا، اب تک کسی نے اس پر ضرورت تکملہ محسوس نہ کیا یا یہ کہ کسی کو اس کی ہمت نہیں ہوئی، ویسے اب علامہ بنوریؒ کا قلم کہاں سے لایا جا سکتا ہے۔

تذکرہ العرف الشذی:

۳-العرف الشذی، یہ مستقل شرح نہیں بلکہ علامہ انور شاہ صاحبؒ کی تقریر ترمذی کا مجموعہ ہے، جسے ان کے ایک تلمیذ نے جمع کیا تھا، نفس حدیث جتنا آپ اس سے حل کر سکتے ہیں اتنا آپ کسی شرح سے حل نہیں کر سکتے، ترمذی شریف جلد ثانی میں جب معارف السنن ختم ہو جاتی ہے اور العرف الشذی میں صفحات کے صفحات غائب ہو جاتے ہیں۔ اور عارضۃ الاحوذی میں بھی کلام انتہائی مختصر رہ جاتا ہے، وہ اس وجہ سے کہ ابتداء میں جم کر تقریریں ہوتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ کلام ہوتا ہے اور آخر میں ایسا نہیں ہوتا اس وقت یہ کام آتی ہے۔

تذکرہ تحفۃ الاحوذی:

۴-تحفۃ الاحوذی، یہ علامہ عبدالرحمٰن المبارکپوری جو ضلع اعظم گڈھ میں ایک مشہور جگہ ہے، وہاں کے رہنے والے تھے، یہ غیر مقلد ہیں، غیر مقلد ہی نہیں، بلکہ کٹر اور متعصب غیر مقلد ہیں احناف کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے رہتے ہیں اگرچہ دیگر حضرات نے ان کی تردید کی ہے جس وقت وہ اسے لکھ رہے تھے، اس وقت العرف

الشذی اور بذل المجہود موجود تھی، العرف الشذی کی بات لے کر وہ تردید کرتے ہیں اسی طرح بذل کی بھی بعض باتیں لے کر وہ تردید کرتے ہیں، لیکن علامہ بنوریؒ نے ان کی تردید کی اور علامہ انور شاہؒ کی جن باتوں پر انہوں نے اعتراض کیا تھا اس کا جواب علامہ بنوریؒ نے دیدیا، معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مبارکپوری کے سامنے مرقاۃ، عینی وغیرہ تھی، مگر خاص بات یہ ہے کہ وہ رجال ترمذی پر کلام کرتے ہیں اور خاص طور سے حل کتاب میں وہ بہت عمدہ ہے کاش اس میں تعصب نہ ہوتا۔

تعارف عارضۃ الاحوذی:

۵- عارضۃ الاحوذی، یہ محمد بن عبداللہ الاشبیلی المعروف بہ ابوبکر بن العربی، یہ مالکی المذہب ہیں، اور مالکیہ کے اقوال لیتے ہیں، مگر خادم کے نزدیک جو بات اس میں ملی، وہ یہ کہ احادیث سے جتنے مسائل وہ مستنبط کرتے ہیں، اتنا کوئی نہیں کرتا، اور مزید وہ نکات مستنبط کرتے ہیں، یہ چیز ہر جگہ نہیں ہے مگر اکثر ہے۔

تعارف معارف مدنیہ:

٦- معارف مدنیہ، یہ حضرت شیخ الاسلام کی تقریر کا مجموعہ ہے، جسے امروہہ کے ایک استاذ نے جمع کیا ہے اس اعتبار سے کہ وہ شیخ الاسلام کی تقریر ہے، لب کشائی کی جرأت نہیں، باقی مرتب نے جو کچھ کیا ہے وہ چنداں دل نشیں نہیں۔

تعارف درس ترمذی:

۷- درس ترمذی، یہ کتاب ہمیں پسند آئی اس معنی کر کہ ہمارے سامنے اختلافات ائمہ، پھر ان کے دلائل، پھر احناف کی وجوہ ترجیح تھی، مجھے گذشتہ سال محرم میں یہ کتاب ملی اور ہمارے ذوق کے مطابق تھی، مولانا تقی عثمانی نے اس پر اچھا کام کیا ہے، اور یہ جامع کتاب ہے اس کتاب کے بعد معارف السن واعلاء السنن کی ضرورت نہیں رہتی، وہ گویا ہو بہو معارف السنن کا ترجمہ ہے اگر دونوں رکھ کر آپ دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہو بہو اسی کی بات ہے معارف السنن چھ سو میں ملتی ہے اور بیس روپیہ کی کتاب میں اس کے مضامین مل جاتے ہیں۔

امام ترمذی کی ذکر کردہ تمام روایات معمول بہا ہیں سوائے دو کے:

امام ترمذیؒ نے جو روایات ذکر کی ہیں وہ ساری روایات معمول بہا ہیں، جیسا کہ کتاب العلل میں اس کا خود انہوں نے تذکرہ کیا ہے، فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں میں نے ان روایات کو لیا ہے جو معمول بہا ہیں چاہے کسی بھی امام کے نزدیک معمول بہا ہو، صرف دو روایت غیر معمول بہا ہیں:

غیر معمول بہا پہلی حدیث:

(۱) ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ فِي

الْـمَـدِيْـنَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَمَطَرٍ"، آپ ﷺ نے ظہر وعصر کو مدینہ منورہ میں ایک وقت میں ادا کیا۔

غیر معمول بہا دوسری روایت:

(۲) دوسری روایت "قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ، فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ"، یہ دونوں حدیثیں بقول امام ترمذی غیر معمول بہا ہیں مگر شراح بخاری وترمذی نے تصریح کی ہے کہ یہ دونوں روایتیں امام ترمذی کے یہاں اگرچہ غیر معمول بہ ہیں مگر احناف کے یہاں معمول بہ ہیں اول روایت جمع صوری پر محمول ہے اور روایت ثانیہ یہ سیاست پر محمول ہے، امام ترمذیؒ اپنے سارے فضائل وکمالات کے ساتھ ۲۷۹ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۱۲-امام ترمذی کی بعض عادات:

مقدمۃ الکتاب میں بارہواں نمبر امام ترمذی کی بعض عادتوں کے بیان کا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ترمذی نے جس اسلوب کو اس کتاب میں اختیار کیا ہے اس کا اجمالی خاکہ کتاب کے شروع کرنے سے پہلے متعین کر دیا جائے، تاکہ علی وجہ البصیرۃ کتاب آپ حضرات پڑھ سکیں۔ چونکہ ہر مصنف کی عادت الگ ہوتی ہے جب تک اس کی عادت سے واقفیت نہ ہو اس وقت تک اس کی باتوں کے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے عادت کے سمجھنے کے بعد اس کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے، اس عنوان کے تحت اب

ہم امام ترمذیؒ کی عادتوں کو بیان کرتے ہیں:

عادت اولی:

ا-امام ترمذی کی عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ ترجمۃ الباب مشہور حدیث پر قائم کرتے ہیں، یعنی مشہور حدیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے اسی کے مطابق ترجمۃ الباب منعقد کرتے ہیں، لیکن اس باب کے تحت اس مشہور حدیث کو ذکر نہیں فرماتے اس کے علاوہ غیر مشہور حدیث ذکر فرماتے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اسی وجہ سے بعض حضرات کی طرف سے اشکال کیا گیا ہے کہ جب اس باب کے تحت مشہور حدیث موجود ہے تو غیر مشہور حدیث ذکر کرنے کی وجہ کیا ہے، محدثین اس کی دو وجہ بیان کرتے ہیں:

پہلا جواب:

(ا) تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ بھی حدیث ہے اس لئے کہ غیر مشہور حدیث کو عدم شہرت کی وجہ سے اکثر حضرات نظر انداز کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ لوگوں تک نہیں پہنچ پاتی، مصنف نے اکثر گویا کہ التزام کیا ہے کہ غیر مشہور حدیث کو ذکر کریں گے تاکہ اوروں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بھی حدیث ہے۔

دوسرا جواب:

(۲) امام ترمذی غیر مشہور حدیث ذکر کرنے کے بعد اس کی علت، اور عدم شہرت کی وجہ بیان کر دیتے ہیں، جس سے عام حضرات محدثین تعرض نہیں کرتے، گویا غیر مشہور حدیث کے اختیار کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ اس کی علل خفیہ اور عدم شہرت کی وجوہات کا تذکرہ ہو جاتا ہے۔

امام ترمذی کی دوسری عادت:

۲-امام ترمذیؒ کی عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی صحابی سے روایت کی تخریج کر دیتے ہیں، اور کسی صحابی کی روایت ذکر فرما دیتے ہیں تو وفی الباب عن فلان کہہ کر اس صحابی کی حدیث کی طرف اشارہ نہیں کرتے، الا ماشاء اللہ، چنانچہ ترمذی شریف میں تین مقامات ایسے ہیں جہاں امام ترمذیؒ نے ایک صحابی سے روایت لی، اور اس کے بعد وفی الباب عن فلان کہہ کر اس صحابی کی طرف اشارہ بھی کر دیا، یعنی اس صحابی کا نام وہاں ذکر کر دیا، جس سے اس کی حدیث کی طرف اشارہ ہو جائے۔

تین مقامات:

وہ تین مقامات یہ ہیں (۱) حدیث ابو سعید خدریؓ جو باب صفت شجر الجنۃ کے تحت (۲/۷۵) پر موجود ہے، (۲) حدیث علیؓ جو باب کراھیۃ خاتم الذھب کے تحت

ہے جو (۱/۲۰۷) پر موجود ہے، (۳) حدیث جابرؓ جو باب الرکعتین إذا جاء الرجل والإمام یخطب کے تحت ہے، جو (۱/۶۷) پر موجود ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ نے جب اس صحابی سے روایت لے لی جس کا نام وفی الباب عن فلان کے تحت ذکر کیا ہے تو فی الباب عن فلان کے تحت اس کا نام ذکر کر کے کس بات کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے، اس لئے کہ وفی الباب عن فلان کا حاصل یہ ہے کہ ان حضرات کی دو روایتیں بھی اس باب کے مناسب ہیں، جنہیں اس باب کے تحت لکھا جا سکتا ہے۔

جواب:

اس کا محدثین نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر چہ اس صحابی کی روایت ترجمۃ الباب کے تحت امام ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے، مگر جب وفی الباب عن فلان کہہ کر ان کا نام لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کی اس باب کے مناسب دوسری روایات بھی ہیں۔ جسے آپ اس باب کے تحت لکھ سکتے ہیں۔

امام ترمذی کی تیسری عادت:

۳- امام ترمذیؒ کی عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ وفی الباب عن

فلان کہہ کر راوی کا نام ذکر کر دیتے ہیں جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ ان حضرات سے بھی باب کے مناسب روایات ملتی ہیں، لیکن اگر کسی مقام پر اس روایت کے ذکر کو مناسب سمجھتے ہیں تو ذکر بھی کر دیتے ہیں، جیسا کہ ترمذی شریف میں دو جگہ وفی الباب عن فلان کہہ کر راوی کا نام لیا، پھر ان کی روایت ذکر فرمادی، (۱) باب زکوۃ البقر (۱/۷۹) پر حدیث ابن مسعودؓ کے بعد امام ترمذیؒ نے وفی الباب عن معاذ فرمایا لیکن اس پر اکتفا نہ فرمایا، اور معاذؓ کی حدیث ذکر فرمادی، (۲) دوسری جگہ جہاں امام ترمذیؒ نے وفی الباب عن فلان کہہ کر اس حدیث کی طرف اشارہ کیا، پھر اس کی تخریج خود ہی فرمادی، باب الاربع قبل العصر (۱/۵۷) پر حضرت علیؓ کی حدیث کی تخریج کے بعد وفی الباب عن ابن عمرؓ فرمایا، پھر ان کی روایت کی خود ہی تخریج فرمادی۔

امام ترمذی کی چوتھی عادت:

۴- امام ترمذیؒ کی عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ کبھی کبھی ایک ہی باب میں دو مرتبہ وفی الباب عن فلان فرما دیتے ہیں حالانکہ یہ ان کی عام عادت کے خلاف ہے، عام عادت یہ ہے کہ کسی باب کے تحت روایت لاتے ہیں، اور پھر وفی الباب عن فلان کہہ کر اشارہ کر دیتے ہیں کہ اس باب کے مناسب ان کی روایت بھی ہے جسے یہاں ذکر کیا جا سکتا ہے، مگر بعض جگہ انہوں نے اس کے خلاف کیا ہے جیسے باب استکمال الایمان والزیادۃ علی الایمان، اس باب کے تحت حضرت عائشہؓ

کی حدیث کے ذکر کرنے کے بعد وفی الباب عن ابی ہریرۃؓ وانس بن مالکؓ فرمایا اور پھر حدیث ابو ہریرۃؓ کی تخریج کردی، پھر فرمایا وفی الباب عن ابی سعید وابن عمر، یہاں دو مرتبہ وفی الباب کہہ دیا۔

امام ترمذی کی پانچویں عادت:

۵- امام ترمذیؒ کی عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ اگر کسی مشہور وطویل حدیث کو پورے طور پر ذکر نہیں فرماتے تو اس کے نقصان کی طرف ''وفیہ قصۃ وفیہ کلام أکثر من ھذا'' جیسے الفاظ سے اشارہ کردیتے ہیں تاکہ پڑھنے والے کو یہ بات معلوم ہوجائے کہ یہ حدیث طویل تھی، اور ذکر کردہ اجزاء کے علاوہ اور بہت سے اجزاء تھے، امام ترمذیؒ نے انہیں ترک کردیا ہے۔

امام ترمذی کی چھٹی عادت:

٦- امام ترمذیؒ کی عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی وہ بغیر ترجمۃ الباب کے حدیث کو ذکر فرمادیتے ہیں، صرف باب لکھنے کے بعد حدیث کی تخریج کردیتے ہیں جیسا کہ کتاب القدر کے اوائل ہی میں (۳۵/۲) پر امام ترمذیؒ نے بغیر ترجمۃ الباب قائم کئے ہوئے حضرت ابو ہریرۃؓ کی حدیث کی تخریج فرمادی، اس کے علاوہ ابواب الفتن میں بہت سے باب آپ کو ایسے ملیں گے جو بغیر ترجمہ کے ہیں اس کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی ایسا ہوگیا ہے۔

امام ترمذی کی ساتویں عادت:

۷- امام ترمذیؒ کی عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ کبھی ترجمۃ الباب کے تحت موقوف وضعیف روایت کو ذکر فرما دیتے ہیں، حالانکہ اس کے مقابلہ میں مضبوط اور غیر ضعیف، یعنی حسن وصحیح روایتیں موجود ہوتی ہیں لیکن حسن اور صحیح کو ترجمہ کے تحت ذکر کرنے کے بجائے وفی الباب عن فلان کہہ کر اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

ایک سوال اور جواب:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں کرتے ہیں، ترجمہ کے مناسب حسن یا صحیح روایت کو چھوڑ کر غریب یا ضعیف ذکر کر کے وفی الباب عن فلان کہہ کر حسن یا صحیح کی طرف اشارہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب:

حضرات محدثین نے جواب دیا ہے کہ چونکہ امام ترمذی وفی الباب عن فلان کے تحت جن روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں ان سے استشہاد مطلوب ہوتا ہے اور استشہاد کے لئے مضبوط روایت کا ہونا ضروری ہے، بخلاف اس روایت کے جس کا متابع موجود ہے، اس کے لئے اس کا صحیح ہونا ضروری نہیں، اس خاص بات کی وجہ سے

امام ترمذیؒ نے بعض جگہ وہ انداز اختیار کیا ہے جس کو ابھی بیان کیا۔

امام ترمذی کی آٹھویں عادت:

۸- امام ترمذیؒ کی عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی ضعیف روایت کی تحسین فرمادیتے ہیں جیسا کہ اپنی جگہ پر یہ بات آئے گی، یہ بات بھی بہت سی جگہ آپ پائیں گے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ ایسا کیوں کرتے ہیں کہ ایک ضعیف روایت کی تحسین فرمادیتے ہیں، محدثین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ امام ترمذیؒ کے یہاں وہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے اور متعدد طرق سے اگر ضعیف روایت بھی مروی ہو تو اس کے ضعف کا انجبار ہو جاتا ہے اور اس میں اس کی وجہ سے گویا طاقت کا انجکشن لگ جاتا ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات نے اسے اس انداز سے دور کیا ہے کہ جہاں انہوں نے ضعیف روایت کی تحسین کی ہے اس سے مراد حسن لغیرہ ہے۔ **فلا تعارض بین تحسین الترمذی وتضعیفه الاخرین۔**

امام ترمذی کی نویں عادت:

۹- امام ترمذیؒ کی عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ اکثر روایات کی تخریج و تحسین، تضعیف وتغریب وتصحیح کے بعد "وعلیہ عمل الأمة، والعمل علی ہذا عند أہل العلم، والعمل علی ہذا عند أکثر أہل العلم"، فرماتے ہیں اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ یہ روایت غیر معمول بہا نہیں، بلکہ معمول بہا ہے، چنانچہ میں عرض کر چکا ہوں کہ امام ترمذی

کی تصریح کے مطابق ترمذی شریف میں دو روایتیں غیر معمول بہا ہیں (۱) حدیث عبد اللہ بن عباسؓ جو باب ماجاء فی الجمع بین الصلوتین کے تحت مذکور ہے جس کو (۱/۲۶) پر آپ دیکھ سکتے ہیں، (۲) حدیث معاویہؓ جو "**باب ما جاء من شرب الخمر فاجلدوه فإن عاد فی الرابعة فاقتلوه**" کے تحت مذکور ہے جس کو (۱/۱۷۴) پر آپ دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ دونوں حدیثیں اگرچہ امام ترمذیؒ کی تصریح کے مطابق غیر معمول بہا ہیں مگر احناف کے یہاں دونوں معمول بہا ہیں چونکہ حدیث اول جمع صوری پر محمول ہے اور حدیث ثانی سیاست پر محمول ہے۔

امام ترمذی کی دسویں عادت:

۱۰- امام ترمذیؒ کی عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ حدیث کی تخریج کے بعد اکثر ہذا حدیث حسن یا ہذا حدیث صحیح، یا ہذا حدیث حسن صحیح، فرماتے ہیں تتبع کثیر کے بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ امام ترمذیؒ انہیں روایات کے بارے میں تحسین کے ساتھ تصحیح بھی فرماتے ہیں جن کی تخریج حضرات شیخین یا ان میں سے کسی ایک نے کی ہو، گویا کہ وہ روایت جسے امام ترمذیؒ نے ذکر کیا وہ صحیحین یا ان میں سے ایک میں موجود ہے، اس کے ذکر کے بعد ہذا حدیث حسن صحیح فرماتے ہیں۔

امام ترمذی کی گیارہویں عادت:

۱۱- امام ترمذیؒ کی عادات میں سے یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی امام ترمذیؒ حسن

وغریب کو جمع فرمادیتے ہیں چنانچہ وہ کثرت سے ہذا حدیث حسن غریب فرماتے ہیں یہ بات آئے گی کہ حسن وغریب کا اجتماع ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز کبھی حسن کو غریب پر، اور کبھی غریب کو حسن پر مقدم کرتے ہیں، علامہ عراقیؒ نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ جس جگہ روایت میں حسن کے ساتھ غرابت ہو لیکن غرابت غالب ہو تو وہاں امام ترمذیؒ حسن وغریب میں غریب کو مقدم فرماتے ہیں اور جہاں حسن غالب ہو، تو وہاں حسن وغریب میں حسن کو مقدم فرماتے ہیں جیسا کہ باب ماجاء فی الاربع قبل العصر کے تحت (۱/۵۷،۵۸) پر حدیث عبداللہ بن عمر کو ذکر کرنے کے بعد امام ترمذیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ "**قال ابو عیسی هذا حدیث حسن غریب**"۔

۱۳-ثلاثیات ترمذی:

مقدمۃ الکتاب میں تیرہواں نمبر ثلاثیات ترمذی کا ہے۔

ثلاثی کا تعارف:

ثلاثی حضرات محدثین کے یہاں اس روایت کو کہتے ہیں جس میں مصنف اور آپ ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہوں، ثلاثیات کے باب میں ویسے تو امام بخاریؒ بہت مشہور ہیں۔ چنانچہ ثلاثیات بخاری کا عام طور سے تذکرہ بھی ہے، حضرات شراح نے بھی اسی وجہ سے مستقل عنوان قائم کردیا ہے جہاں ثلاثی روایت آئی ہے،

وہاں نمبر کے ساتھ خاص سرخی بھی ہوتی ہے۔

ثلاثیات سب سے زیادہ مسند احمد میں ہیں:

لیکن محدثین نے تصریح کی ہے کہ ثلاثیات جو سب سے اعلیٰ سمجھی جاتی ہیں وہ سب سے زیادہ مسند احمد میں ہیں۔ تقریباً تین سو ثلاثی کی تصریح ہے، بعد والوں نے مستقل ثلاثیات مسند احمد کے نام سے ان ثلاثیات کو یکجا جمع کیا ہے۔

ثلاثیات میں دوسرے نمبر پر دارمی ہے:

(۲) دوسرے نمبر پر دارمی شریف ہے، مسند احمد کے بعد ثلاثیات سب سے زیادہ دارمی شریف میں ہیں، مگر صاحب کشف الظنون ملا کاتب چلپی کے بیان کے مطابق دوسرا نمبر بخاری شریف کا ہے، اس لئے کہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ دارمی شریف میں صرف پندرہ ثلاثیات ہیں، مگر عام محدثین اسے دوسرے نمبر پر شمار کرتے ہیں اور عام حضرات محدثین کہتے ہیں کہ ثلاثیات دارمی اکثر ہیں ثلاثیات بخاری سے، جیسا کہ صاحب حطہ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۳ پر تصریح کی ہے۔

ثلاثیات میں تیسرے نمبر پر بخاری شریف ہے:

(۳) تیسرے نمبر پر بخاری شریف ہے، اس میں بائیس ثلاثیات ہیں، نیز حضرات احناف کے لئے یہ بھی طرۂ امتیاز ہے کہ امام بخاری کی ۲۲ ثلاثیات میں سے

۲۱ کے استاذ حنفی ہیں، امام بخاریؒ کی اعلی سند کی روایت میں سے اکیس (۲۱) کے استاذ حنفی ہیں، اور حضرت شیخ کے قول کے مطابق کہ ایک نمبر جو باقی ہے وہ بھی شاید حنفی ہی کی ہو، مگر اب تک اس کی تحقیق نہیں ہوسکی۔

چوتھے نمبر پر ابن ماجہ ہے:

(۴) چوتھے نمبر پر ابن ماجہ ہے، صحاح ستہ میں ابن ماجہ کے اندر بھی تقریباً پانچ روایت ثلاثی ہیں، اور پانچوں کی پانچوں جبارہ بن معلس کی سند سے ہیں۔

پانچویں نمبر پر ترمذی ہے:

(۵) پانچویں نمبر پر ترمذی شریف ہے، ترمذی شریف میں صرف ایک روایت ثلاثی ہے جو (۵/۲) پر ابواب الفتن کے تحت مذکور ہے، جس کے راوی حضرت انس بن مالکؓ ہیں، "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ " (الحدیث) سارے حضرات محدثین اور سارے شراح اس کی تصریح کرتے ہیں کہ امام ترمذیؒ کی یہ روایت ثلاثی ہے چونکہ ان کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین واسطے ہیں (۱) اسماعیل بن موسی، (۲) عمرو بن شاکر، (۳) انس بن مالکؓ۔

ملا علی قاری کا شبہ:

لیکن ملا علی قاریؒ کو اس مقام پر زبردست دھوکہ ہوگیا ہے چونکہ انہوں نے

ثلاثی کے بجائے اسے ثنائی قرار دیا ہے، چنانچہ مرقاۃ صفحہ ۲۰ سے یہ بات شروع ہوتی ہے اور ۲۱ پر ختم ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ سندوں میں سب سے اعلی سند ثنائی ہے یعنی آپ ﷺ اور محدث کے درمیان دو واسطے ہوں، اور ثنائی روایت ترمذی شریف میں ہے، وہ روایت "یأتی علی الناس زمان الصابر فیه علی دینه" (الحدیث) ہے، اور اس سند سے یہ روایت نہ بخاری شریف میں ہے اور نہ مسلم میں، اور نہ ابوداؤد میں۔

ملا علی قاری کے شبہ کا علامہ سیوطی کی طرف سے جواب:

مگر علامہ سیوطی اور صاحب تحفہ نے اس کی تردید کی ہے، اور اسے ملا علی قاریؒ کا تسامح قرار دیا ہے، اس لئے کہ جو سند کتاب میں مذکور ہے اس پر آپ ایک نظر ڈالیں اور فیصلہ کریں کہ ثنائی ہے یا ثلاثی، مصنف اور آپ ﷺ کے درمیان اس میں تین واسطے ہیں، بہر حال ثلاثی روایت کی فضیلت امام ترمذیؒ کو بھی حاصل ہے اس کے علاوہ مسلم، ابوداؤد و نسائی صحاح ستہ میں رہ جاتی ہیں، ان تین کتابوں میں کوئی ثلاثی روایت نہیں ہے، اس معنی کر ترمذی شریف ان تینوں پر فوقیت رکھتی ہے کہ ترمذی شریف میں ثلاثی روایت ہے، اور مسلم و ابوداؤد و نسائی میں کوئی روایت ثلاثی نہیں ہے۔

۱۴-مکرر ابواب واحادیث:

اس عنوان کا حاصل یہ ہے کہ آپ حضرات کے سامنے وہ ابواب وحدیثیں پیش کی جائیں جو ترمذی شریف میں مکرر ہیں، جس طریقہ پر حدیث کی اور دوسری

کتابوں میں ابواب واحادیث مکرر ہیں اسی طرح ترمذی شریف میں بھی ابواب واحادیث مکرر ہیں، ہم اجمالی فہرست اس کی آپ کے سامنے پیش کریں گے تاکہ پوری کتاب کا اجمالی خاکہ آجائے۔

۱۴-مکرر ابواب ترمذی:

چودہواں نمبر مکرر ابواب ترمذی کے تذکرہ کا ہے، ترمذی شریف میں کل بارہ ابواب مکرر ہیں، مگر یہ حصر حقیقی نہیں ہے، بلکہ غیر حقیقی ہے، اس کے علاوہ اگر اور کوئی باب مل جائے تو اس کے لئے وہ مضر نہیں ہے، اور اس کو اس کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا:

پہلا باب:

۱-باب ما جاء فی نضح بول الغلام قبل أن یطعم، اس باب کو امام ترمذیؒ نے دو جگہ پر ذکر کیا ہے (۱) کتاب الطہارۃ (۱/۱۱) پر دیکھ سکتے ہیں، (۲) کتاب الصلوۃ، لیکن کتاب الصلوۃ کے اخیر میں ابواب السفر کا ایک لمبا چوڑا عنوان ہے آنے والا باب اسی ابواب سفر کے اخیر میں ختم سے دو باب قبل ہے، وہاں پر اس کے الفاظ قدرے بدلے ہوئے ہیں، وہاں ہے باب ما جاء فی بول الغلام الرضیع (۱/۷۸)۔

دوسرا باب:

۲-باب من أحب لقاء اللہ أحب اللہ لقاءہ، اس باب کو امام ترمذیؒ نے دو

مقام پر ذکر کیا ہے، (۱) کتاب الجنائز (۱/۱۲۶) پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں، (۲) ابواب الزہد (۲/۵۴) پر دیکھ سکتے ہیں۔

تیسرا باب:

۳- باب الستر علی المسلمین، امام ترمذیؒ نے اس باب کو دو جگہ پر ذکر کیا ہے، لیکن ایک جگہ پر بصیغہ مفرد، اور دوسری جگہ پر بصیغہ جمع ہے، یعنی پہلی جگہ پر علی المسلم ہے، اور دوسری جگہ پر علی المسلمین ہے، ان دو جگہوں میں سے پہلی جگہ کتاب الحدود (۱/۱۷۱) پر دیکھ سکتے ہیں، (۲) کتاب البر والصلۃ (۲/۱۵) پر اسے دیکھ سکتے ہیں۔

چوتھا باب:

۴- باب ما جاء فی الرخصۃ فی الثوب الاحمر للرجال، اس باب کو بھی امام ترمذی نے ترمذی شریف میں دو مقام پر ذکر کیا ہے (۱) کتاب اللباس (۱/۲۰۵) پر دیکھ سکتے ہیں، (۲) ابواب الاستئذان والآداب (۲/۱۰۴) پر یہ باب مذکور ہے۔

پانچواں باب:

۵- باب ما جاء فی حفظ العورۃ، اس باب کو بھی امام ترمذیؒ نے دو جگہ ذکر کیا ہے (۱) کتاب الاستئذان والآداب (۱۰۱) اور (۲) صفحہ ۱۰۳ یعنی ایک ہی کتاب کے تحت دونوں باب کو ذکر کیا ہے۔

چھٹا باب:

۶-باب ماجاء فی شرب ابواب الابل، اس باب کو بھی امام ترمذیؒ نے دوجگہ پر ذکر کیا ہے، (۱) کتاب الطب (۲/۲۵)، (۲) کتاب الاطمعہ (۲/۶)۔

ساتواں باب:

۷-باب ماجاء مایقول فی سجود القرآن، اس باب کو بھی امام ترمذیؒ نے دوجگہ پر ذکر کیا ہے، (۱) کتاب الصلوۃ (۱/۷۵)، (۲) کتاب الدعوات (۲/۱۸۰)۔

آٹھواں باب:

۸-باب ماجاء فی الحظ علی الوصیۃ اس باب کو بھی امام ترمذیؒ دوجگہ لائے ہیں (۱) ابواب الجنائز (۱/۱۱۷)، (۲) کتاب الوصایا (۲/۳۳)۔

نواں باب:

۹-باب کراہیۃ بیع الولاء وہبتہ، اس باب کو بھی امام ترمذیؒ نے دوجگہ پر ذکر کیا ہے، (۱) کتاب البیوع (۱/۱۴۸)، (۲) کتاب الولاء والھبۃ (۲/۳۴)۔

دسواں باب:

۱۰-باب کراہیۃ لبس المعصفر للرجال، اس کو بھی امام ترمذیؒ دوجگہ لائے

ہیں (۱) کتاب اللباس (۱/۲۰۵)، (۲) کتاب الاستیذان والآداب (۲/۱۰۴)۔

گیارہواں باب:

۱۱- باب ماجاء فی کراہیۃ البیع والشراء وانشاد الضالۃ والشعر فی المسجد، اس باب کو امام ترمذیؒ دو جگہ پر لائے ہیں، (۱) ابواب الصلوۃ ۱/۴۳)، (۲) ابواب البیوع (۱/۱۵۸)، لیکن وہاں قدرے الفاظ بدلے ہوئے ہیں، باب النہی عن البیع فی المسجد۔

بارہواں باب:

۱۲- باب ماجاء فی الجمع بین الصلوتین، اس باب کو بھی دو جگہ ذکر کیا ہے (۱) کتاب الصلوۃ (۱/۲۷)، (۲) اواخر کتاب الصلوۃ تحت ابواب السفر (۱/۷۲)۔

۱۵- مکرر احادیث:

پندرہواں نمبر مکرر احادیث کا ہے، امام ترمذیؒ نے ابواب کی طرح بہت سی حدیثوں کو بھی مکرر ذکر فرمایا ہے۔

ترمذی میں بیاسی احادیث مکرر ہیں:

چنانچہ تتبع کے بعد بیاسی حدیثیں ایسی ملتی ہیں جو ترمذی شریف میں مکرر ہیں ان میں سے کچھ حدیثوں کا تذکرہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے اس کے بعد بقیہ

حدیثیں انشاء اللہ اپنی اپنی جگہ پر آتی رہیں گی، اور اسی موقع پر نشاندہی کردی جائے گی کہ یہ حدیث اس سے پہلے گذر چکی ہے، یا آئندہ آنے والی ہے، ان احادیث میں سے پہلی حدیث، حدیث انس بن مالکؓ ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ”إِنَّ نَاسًا مِنْ عُرَيْنَةَ أَتَوُا الْمَدِيْنَةَ فَاجْتَوَوْهَا“ (الحدیث) امام ترمذیؒ نے اس کو تین مقامات پر ذکر کیا ہے (۱) باب بول ما یؤکل لحمہ، یہ کتاب الطہارۃ میں (۱/۱۱) پر ایک باب ہے، (۲) دوسری جگہ اس حدیث کو باب شرب ابواب الابل میں جو کتاب الاطعمہ کا ایک باب ہے ذکر کیا ہے جو (۲/۶) پر موجود ہے۔

۲- حدیث عبداللہ بن عباسؓ و حدیث عائشہؓ ان دونوں حدیثوں کے الفاظ پہلے سنئے، حدیث ابن عباسؓ کے الفاظ یہ ہیں:

”جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ رَأَيْتُنِيْ اللَّيْلَةَ وَأَنَا نَائِمٌ كَأَنِّيْ أُصَلِّيْ خَلْفَ شَجَرَةٍ“ (الحدیث) حدیث عائشہؓ کے الفاظ یہ ہیں: ”كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ سَجَدَ وَجْهِيَ“ (الحدیث) ان دونوں حدیثوں کو کتاب الصلوۃ کے تحت ذکر کیا ہے، اس کے بعد ثانیا کتاب الدعوات میں بھی ذکر کیا ہے (۱) باب ما یقول فی سجود القرآن (۱/۷۵)، (۲) کتاب الدعوات (۲/۱۸۰)۔

۳- حدیث عبداللہ بن عمرؓ جس کے الفاظ یہ ہیں: ”مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ“ (الحدیث) اس حدیث کو بھی امام ترمذیؒ نے دو جگہ ذکر کیا ہے، (۱)

باب الحث علی الوصیۃ (۱/۱۱۷)، (۲) کتاب الوصایا، باب الحث علی الوصیۃ (۲/۳۳)۔

۴- حدیث عبادہ بن صامتؓ جس کے الفاظ یہ ہیں، ”عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ صَامِتٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ“۔ اس حدیث کو بھی امام ترمذی نے دو جگہ ذکر کیا ہے (۱) کتاب الجنائز (۱/۲۶)، (۲) کتاب الزہد (۲/۲۵)، دونوں جگہوں پر یہ باب ”باب من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ کے تحت مذکور ہے۔

۵- حدیث ابن عمرؓ جس کے الفاظ یہ ہیں: ”نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الولاء وھبتہ“، اس حدیث کو بھی امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں دو جگہ ذکر کیا ہے، (۱) کتاب البیوع، باب کراھیۃ بیع الولاء وہبتہ (۱/۱۴۸) اور کتاب الولاء والھبۃ، باب النھی عن بیع الولاء والھبۃ کے تحت (۲/۳۴) پر یہ روایت موجود ہے۔

۶- حدیث عائشہؓ جس میں حضرت بریرہؓ کو خریدنے اور آزاد کرنے کا واقعہ موجود ہے، اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے تین جگہوں پر ذکر کیا ہے، (۱) باب فی اشتراط الولاء والزجر عن ذلک (۱/۱۵۱)، (۲) باب، یہ بغیر ترجمہ کے ایک باب ہے کتاب الوصایا کے تحت، باب الرجل یتصدق او یعتق عند الموت کے بعد (۲/۳۴) پر یہ باب مذکور ہے، اس میں بھی حضرت عائشہؓ کی یہ روایت مذکور ہے، (۳) باب الولاء لمن اعتق (۲/۳۴) اس میں اور ماقبل والے دو ابواب میں فرق یہ ہے کہ اس مقام پر امام ترمذیؒ نے اس روایت کو مختصر ذکر کیا ہے، یعنی دوسری جگہ جتنی تفصیل ہے وہ تفصیل

یہاں نہیں ہے۔

۷-حدیث سعید بن مسیبؒ جس کے الفاظ یہ ہیں: ’’اَلدِّیَةُ عَلَی الْعَاقِلَةِ‘‘، اس حدیث کو بھی امام ترمذی نے ترمذی شریف میں دو جگہ پر ذکر کیا ہے، (۱) باب المرأة ترث من دیۃ زوجها (۱۶۹/۲)، (۲) باب ما جاء فی میراث المرأة من دیۃ زوجها (۲۳/۲)۔

۸-حدیث ابو ہریرہؓ جس کے الفاظ یہ ہیں: ’’قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكٰی مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ‘‘ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں دو مقام پر ذکر کیا ہے، (۱) ابواب فضل الجهاد کے تحت، باب فضل الغبار کے تحت (۱۹۶/۱) پر، اور (۲) باب فضل البکاء من خشیۃ اللہ (۵۵/۲)۔

۹-حدیث براء بن عازبؓ جس کی ابتداء کے الفاظ یہ ہیں: ’’قَالَ مَا رَأَیْتُ مِنْ ذِیْ لِمَّةٍ فِیْ حُلَّةِ الْحَمْرَاءِ‘‘ (الحدیث)، اس روایت کو امام ترمذیؒ نے تین جگہوں پر ذکر کیا ہے، (۱) کتاب اللباس، باب الرخصۃ فی الثوب الاحمر للرجال (۲۰۵/۱)، (۲) باب الرخصۃ فی لبس الحمرۃ للرجال، ابواب الاستیذان والآداب (۱۰۴/۲)، (۳) باب صفۃ النبی ﷺ (۲۰۴/۲)۔

۱۰-حدیث ابی بکرہؓ جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: ’’أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ‘‘ (الحدیث) اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے تین جگہوں پر ذکر کیا ہے، (۱) ابواب البر والصلۃ، باب عقوق الوالدین (۱۲/۲)، (۲) اوائل ابواب الشرک،

چار حدیث کے بعد حدیث ابی بکرہؓ ہے، (۳) نیز سورۃ النساء ابواب التفسیر کے اندر جو (۱۲۶/۲) پر ہے، اس سورہ کی تفسیر میں بھی حدیث ابی بکرہؓ کو لیا ہے۔

۱۱- حدیث بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ، "قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَوْرَاتُنَا مَانَأْتِيْ مِنْهَا" (الحدیث)، اس روایت کو امام ترمذیؒ نے دو جگہ پر ذکر کیا ہے، اور وہ دونوں جگہیں ابواب الاستیذان والآداب میں ہیں (۱) باب حفظ العورۃ (۱۰۱/۲)، (۲) باب حفظ العورۃ (۱۰۳/۲)، جیسا کہ مکررات ابواب کے تحت میں نے بتایا تھا کہ ابواب الاستیذان والآداب کے تحت دو باب ایک ہی الفاظ کے ساتھ موجود ہیں، ان دونوں ابواب میں امام ترمذیؒ نے بہز بن حکیم کی حدیث کو ذکر کیا ہے۔

۱۲- حدیث ابوہریرہؓ جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا" اس روایت کو تین جگہ پر ذکر کیا ہے، (۱) کتاب الحدود باب ماجاء فی الستر علی المسلم (۱۷۱/۱)، (۲) ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی الستر علی المسلمین (۱۵/۲)، تیسری جگہ جہاں امام ترمذیؒ نے اسی روایت کو مختصر طور پر ذکر کیا ہے یعنی وہ روایت ابوہریرہؓ ہی سے مروی ہے، لیکن اس روایت میں وہ الفاظ نہیں ہیں جو مذکورہ بالا دونوں ابواب میں ہیں، لیکن حضرت ابوہریرہؓ کے حوالہ سے دونوں روایتیں ہیں، باب فضل طلب العلم (۸۹/۲)، اس کے بعد امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت ابواب القراءۃ کے تحت بغیر ترجمہ کے ایک باب ہے، باب ان القرآن اُنزل علی سبعۃ اُحرف، کے بعد اس کے اندر ذکر کیا ہے، اس جگہ وہ

الفاظ ملتے ہیں جو مذکورہ بالا دو ابواب میں ہیں، ابواب القراءۃ میں (۱۲۸/۲) پر یہ روایت موجود ہے۔

۱۳- حدیث علی بن ابی طالب حضرت علیؓ کی یہ حدیث جو کہ معصفر اور کسم جو ایک مخصوص کپڑا ہوتا ہے اس کی ممانعت پر مشتمل ہے اس روایت کو بھی امام ترمذیؒ نے دو جگہ ذکر کیا ہے (۱) باب کراہیۃ المعصفر للرجال، کتاب اللباس (۲۰۵/۱)، (۲) باب کراہیۃ خاتم الذہب کتاب اللباس (۲۰۷/۱)، (۳) تیسری جگہ جہاں امام ترمذیؒ نے ضمناً یہ روایت لیا ہے، وہ ابواب الاستیذان والآداب ہے، وہاں بھی حضرت علیؓ کے حوالہ سے روایت ہے۔

۱۴- حدیث عبداللہ بن عمرؓ جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں، ثلاث علی کثبان المسک، یعنی تین شخص مشک کے ٹیلہ پر ہوں گے، خداوند قدوس ان کو یہ نعمت عطا کریں گے، اس روایت کو امام ترمذیؒ نے دو جگہ ذکر کیا ہے (۱) باب فضل المملوک الصالح ابواب البر والصلۃ (۲/۲) پر یہ روایت موجود ہے (۲) باب صفۃ انہار الجنۃ ابواب صفۃ الجنۃ کے تحت (۸۰/۲) پر یہ روایت موجود ہے۔

۱۵- حدیث علی ابن ابی طالبؓ، جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ قَالُوا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ كُلِّ عَامٍ" (الحدیث)، اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف میں دو مقام پر ذکر کیا ہے (۱) کتاب الحج، باب کم فرض الحج (۱۰۰/۱)، (۲) ابواب التفسیر باب تفسیر سورۃ المائدہ (۱۳۱/۲)۔

۱۶- حدیث زید بن اثیع جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں، ''قَالَ سَئَلْتُ عَلِیًا بِـأَیِّ شَیْئٍ بُعِثْتَ فِی الْحَجَّةِ قَالَ بُعِثْتُ بِاَرْبَعٍ '' (الحدیث)، امام ترمذیؒ نے اس روایت کو ترمذی شریف میں دوجگہ ذکر فرمایا ہے (۱) ابواب الحج، باب کراھیۃ الطّواف عریاناً (۱/۱۰۶)، (۲) ابواب التفسیر، باب تفسیر سورۃ التوبہ، (۱۷) حدیث عبداللہ بن الزبیر جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں، ''إِنَّ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَیْرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ شِرَاجِ الْحُرَّةِ الَّتِیْ یَسْقُوْنَ بِهَا النَّخْلَ''، امام ترمذیؒ نے اسے دوجگہ ذکر کیا ہے، (۱) ابواب الاحکام، باب الرجلین یکون أحدھما أفضل من الآخر فی الماء، (۲) تفسیر سورۃ النساء۔

۱۸- حدیث جابرؓ جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں، ''إِنَّ النَّبِیَّ ﷺ حِیْنَ قَدِمَ مَكَّةَ فَطَافَ بِالْبَیْتِ سَبْعًا'' اس روایت کو بھی امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں دوجگہوں پر ذکر کیا ہے، (۱) ابواب الحج، باب ما جاء أنہ یبدأ بالصفا قبل المروۃ، (۲) ابواب التفسیر تفسیر سورۃ البقرہ۔

۱۹- حدیث انس بن مالکؓ جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں، ''قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُخَالِطُنَا أَیْ یُمَازِحُنَا حَتّٰی كَانَ یَقُوْلُ لِأَخٍ لِیْ صَغِیْرٍ یَا اَبَا عُمَیْرُ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ''، اس حدیث کو بھی امام ترمذیؒ نے دوجگہ ذکر کیا ہے (۱) باب الصلوۃ علی البسط، (۲) ابواب البر والصلۃ باب المزاح۔

۲۰- حدیث زبیر بن العوامؓ جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں، ''كَانَ عَلَی

النَّبِیِّ ﷺ دِرْعَانِ یَوْمَ أُحُدٍ“ ۔اس حدیث کو بھی امام ترمذیؒ نے دو جگہ ذکر کیا ہے (۱) ابواب الجہاد، باب الدرع، (۲) باب فی مناقب طلحہ بن عبید اللہ اس طور پر جیسا کہ ہم نے عرض کیا تھا کہ بیاسی روایتیں ایسی ہیں جو ترمذی شریف میں مکرر ہیں، نمونہ کے طور پر بیس روایتوں کو ہم نے ذکر کر دیا، اس کے بعد سولھواں نمبر آداب حدیث للمدرس والمتدرس کا ہے۔

۱۶-آداب درس حدیث:

آداب یہ ادب کی جمع ہے، ادب کی بہت سی تعریفیں ملتی ہیں، متعدد علماء نے اپنے اپنے اعتبار سے اس کی تعریف کی ہے۔

ادب کی تعریف:

مگر سب سے جامع مانع بعض حضرات کی وہ تعریف ہے جس کو بعض اساتذہ بھی بتایا کرتے تھے، الادب مایلیق بشأنہ یعنی ادب وہ ہے جو اس کی شان کے لائق ہو، اس میں اتنی تعمیم ہے جو سب کو شامل ہے، کتابوں کا ادب الگ ہے کہ اس کی شان اور ہے، تپائی کا ادب الگ ہے، اس لئے کہ اس کی بھی ایک شان ہے، درس حدیث میں کتابوں کا بھی استعمال ہے، علی ہذا تپائی کا بھی، کمروں کا بھی، اساتذہ کا بھی، لہذا سب کا ادب ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

تپائی کا ادب:

تپائی کا ادب یہ ہے کہ اس پر پیر نہ رکھے، کتاب کے علاوہ اس پر کوئی ایسی چیز نہ رکھے جو اس کے مناسب نہ ہو جہاں پر جیسے چاہے اسے نہ پھینک دے بلکہ احترام کے ساتھ کہیں رکھے، وغیر ذلک من الآداب۔

کتاب کا ادب:

۲- کتاب، اس کے بھی آداب ہیں، مثلاً اونچی جگہ حفاظت سے رکھے، اس کا احترام کرے، غلط باتیں اس پر نہ لکھے، تپائی پر کتاب احترام سے رکھے، پھر احترام سے اسے اٹھا کر الماری پر رکھ دے جب تپائی پر کتاب ہو تو ایسا کوئی کام نہ کرے جو اس کی شان کے خلاف ہو مثلاً جب تپائی پر کتاب ہو تو کسی کو گالی نہ دے، بری لگنے والی کوئی بات نہ کہے، کتاب کھلی چھوڑ کر گانا وقوالی نہ گائے، کتاب پر ٹیک نہ لگائے، اس کی طرف پیر نہ پھیلائے، کتاب ہمیشہ باوضو پڑھنے کی کوشش کرے، خاص طور سے کتب حدیث کا زیادہ احترام کرے، کوئی بھی حدیث بغیر وضو نہ پڑھے، حتی المقدور حدیث وضو کے ساتھ پڑھے، اگر ہو سکے تو صبح غسل کر کے آئے، اور دوپہر تک نظافت کے ساتھ پڑھے، اسی طرح دوپہر میں یا بعد ظہر غسل کرے، اور عصر تک نظافت کے ساتھ روایات حدیث پڑھے، اگر ایسا نہ کر سکے تو کم از کم وضو ضرور کر لے، اگر ایسا نہ کر سکے تو تیمّم ہی کر لے، اس کو تو ہرگز نہ چھوڑے، تیمّم کے لئے مٹی کے تلاش کرنے کی بھی ضرورت نہیں

دیوار پر دو ضرب لگا لے، جیسا کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ رات میں وضو کر کے سوئے ورنہ تو دیوار پر دو ضرب لگا کر تیمّم ہی کر لے، اسی طرح یہاں بھی اگر وضو نہ کر سکے، موقع نہ ہو، نیچے جانے میں حدیث کے چھوٹنے کا خوف ہو تو تیمّم کر لے، اس کے انوار وبرکات محسوس ہوں گے، ہمارے اکابرین میں سے بہتوں نے اس کا اہتمام کیا ہے، چنانچہ خدا نے انہیں حدیث کا نور عطا کیا جس سے عالم روشن ہو گیا۔

حضرت شیخ کا معمول:

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ میرا حدیث کے پڑھنے میں اہتمام رہا ہے کہ ہر حدیث کو وضو سے پڑھوں، اسی وجہ سے اپنے والد صاحب کے یہاں میں نے کوئی حدیث بغیر وضوء کے نہ پڑھی، ہم دو ساتھی تھے ہمیں لوگ عبارت پڑھتے تھے، ہم دونوں میں سے کسی کا جب وضو ٹوٹتا تھا تو دوسرے کو کہنی مار کر چل دیتا تھا، جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ میرا وضو ٹوٹ گیا ہے، تم بے موقع گفتگو شروع کر دو تا کہ اصل بات نہ چھوٹنے پائے، ایک مرتبہ حضرت کے ساتھی نے کہنی ماری اور چلا گیا فوراً ہی حضرت نے اشکال کیا کہ ابا آپ کی بات کے معارض ابن ہمام نے یہ لکھا ہے کہ اس کا کیا جواب ہے؟ مولانا سمجھ گئے اور فرمایا کہ بھائی، ہم تمہارے ابن ہمام سے کہاں تک لڑیں گے، جب تک وہ آئے تم ایک قصہ سن لو، چنانچہ اس کے بعد جب کوئی اس طرح اٹھتا تو وہ کوئی قصہ وغیرہ سنا دیتے، امام بخاریؒ نے حدیث کا کتنا اہتمام کیا، غسل کر کے اور دو رکعت

نفل پڑھ کے ایک ایک حدیث درج کی، اسی وجہ سے خدا نے اسے اتنا مقبول کیا کہ تمام محدثین کو اس کا سب سے زیادہ اہتمام ہے اور اس پر انہیں پورا پورا اعتماد ہے۔

ساتھیوں کا ادب:

۳- ساتھیوں کا احترام بھی ضروری ہے حدیث پڑھنے والوں کے لئے اس معنی کر کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی ان کے سامنے آجاتی ہے، آپ ﷺ کیسی معاشرت رکھتے تھے، اپنوں کے ساتھ اور غیروں کے ساتھ آپ ﷺ کیسے رہتے تھے، حدیث کے پڑھنے کا حاصل یہ ہے کہ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے سامنے آپ ﷺ کی زندگی آجائے اور ہم اس پر عمل کریں، بقیہ اقوال، قیل وقال ودلائل اصل مقصود نہیں ہیں، نیز چونکہ اس سال پر تعلیمی دور ختم ہوجاتا ہے، لہذا ساتھیوں کا احترام ہونا چاہئے، کوئی تکلیف دہ بات زبان سے نہ نکلے۔

اساتذہ کا ادب واحترام:

۴- اساتذہ کا احترام انتہائی ضروری ہے، اس سے بحث نہیں کہ استاذ کیسا ہے، ہم خود گنہگار ہیں اور اپنے اوپر ہمیں اس کا پورا پورا یقین ہے مگر کتاب کی بات آپ کو یہیں سے ملے گی لہذا استاذ کا احترام کیا جائے، قلب سے اس سے محبت کی جائے، اس پر تنقید وتبصرہ نہ کیا جائے، اگر کوئی بات آپ کو معلوم ہے کہ یہ مفید ہے تو تنہائی میں آکر عرض کر دیجئے، اور اگر کوئی بات ایسی ہے کہ استاذ کے بتانے کے خلاف

آپ کو معلوم ہے تو ادب سے سبق کے بعد عرض کر دیجئے، یہ باتیں انتہائی ضروری ہیں اس کی نظیریں کتابوں میں موجود ہیں، مگر یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ پہلے جیسے لوگ اب نہ رہے، ٹھیک ہے، انحطاط جانبین میں ہے، گھر بنانا کوئی اس لئے نہیں چھوڑتا کہ اب پرانی جیسی مضبوط اینٹیں نہیں ملتیں بلکہ مکان بنایا جاتا ہے ہمیں فائدہ یہیں سے پہنچے گا، لہذا اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، علم حدیث کے پڑھنے کے وقت تصحیح نیت بھی ایک ضروری امر ہے، حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ "إنما الأعمال بالنيات" جیسی نیت ہوگی، ویسا ہی اس پر حکم مرتب ہوگا، اور برکات ظاہر ہوں گے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بہت سے اعمال بظاہر دنیوی ہوتے ہیں، مگر نیت کے اچھے ہونے کی وجہ سے وہ اعمال حسنہ اور خیر ہو جاتے ہیں، اور اس کے برعکس بہت سے اچھے کام فساد نیت کی وجہ سے خراب ہو جاتے ہیں۔

تصحیح نیت بھی ضروری ہے:

علم حدیث ایک انتہائی مہتم بالشان علم ہے، آپ ﷺ نے اس کے سیکھنے والوں کے لئے دعائیں فرمائی ہیں، انہیں اپنا خلیفہ قرار دیا ہے، مگر یہ چیز اس وقت ہے جب ہماری نیت درست ہو، اور یہ کہ ہمیں آپ ﷺ کی اتباع کی کیفیت معلوم ہو جائے، اگر یہ نیت ہے تو جیسے یہ ظاہراً اخروی ہے تو اس پر کوئی ثواب نہ ملے گا اور کوئی فائدہ نہ ہوگا، دنیوی عمل میں اس کا شمار ہو جائے گا، حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی آخرت کا عمل دنیا کے لئے کرتا ہے تو اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنا لے۔

دوران درس کے آداب:

اس کے ساتھ ساتھ دوران درس ذہنی انتشار نہ ہو، بلکہ ادب واحترام کے ساتھ توجہ سے بات سنی جائے، اس کے برکات ظاہر ہوں گے اور فوائد مرتب ہوں گے توجہ نہ ہٹے، اس لئے کہ اس میں حضور ﷺ کی باتوں کی بے عزتی ہے کہ آپ ﷺ کی بات سنے اور بے توجہی وناقدری کرے، اسی وجہ سے محققین کہتے ہیں ایسوں کے سامنے علوم ومعارف نہ بیان کئے جائیں جو قدر نہ کریں، خود حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ناقدروں کے سامنے علوم کو بیان کرنا اور ان کو سکھانا ایسا ہی ہے جیسے کہ خنزیر کے گلہ میں ہیرے جواہرات کے ہار کا قلادہ پہنایا جائے، الحاصل توجہ کی جائے۔

اسی طرح درس حدیث سے یہ بھی متعلق ہے کہ سبق میں اگر کوئی ہنسانے والی بات ہو تو اس پر نہ ہنسا جائے اور قہقہہ نہ لگایا جائے، نیز درس کی پابندی کی جائے، ہمارے شیخ اچھے اچھوں کی اس پر پٹائی کر دیتے تھے، لہذا درس کی پابندی کرے اگر چہ استاذ سے مناسبت نہ ہو، مگر اس کے لئے حدیث کی بات ہے، اس لئے ضرور آجائے نیز درس میں نہ سوئے، حضرت سونے والوں کو تھپڑ سے نوازتے تھے اور طمانچے سے ان کی ضیافت کرتے تھے ورنہ تو یہ درس حدیث کی بے عزتی ہے، اب دعا ہے کہ خدا ہمیں اور آپ کو اس کے حق کے ساتھ اسے پڑھنے اور پڑھانے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہماری نیت درست فرمائے۔

احب الکلام
فی
مسئلة السلام

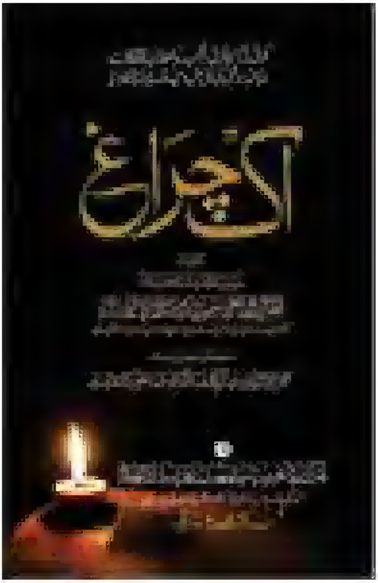

حبیب السالکین

نیل الفرقدین

فی المصافحة بالیدین

(دو ہاتھ سے مصافحہ کی مسنونیت)

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

عرض حبیب

زیرنظر کتاب ''نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین'' ایک انتہائی اہم اور علمی موضوع پر محققانہ ومحدثانہ علمی کتاب ہے۔ مصافحہ دو ہاتھ سے مسنون ہے یا صرف ایک ہاتھ سے؟ یہ ایک پرانا مختلف فیہ مسئلہ ہے اکابرینِ دیوبند کا معمول دو ہاتھ سے مصافحہ کا رہا ہے۔ اور آج بھی ہے۔ لیکن لامذہبیوں نے عصر حاضر میں اس مسئلہ کو بھی اٹھا کر عوام کو اصل سنت سے منحرف کرنے کی مہم شروع کردی ہے، حافظ عبدالمتین میمن جوناگڈھی نے ''حدیثِ خیروشر'' نامی کتاب لکھ کر اہل علم کو خواہ مخواہ چیلنج کیا ہے اور اس میں انہوں نے خاص طور پر دوہاتھ سے مصافحہ کے مسئلہ کو اپنی طبع آزمائی کا ذریعہ بنایا ہے، بہت سے دوستوں کے اصرار پر خادم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور احقاق حق اور احیاء سنت کی نیت سے کام شروع کیا بڑی کاوش کے بعد زیرنظر رسالہ تیار ہوا پوری کوشش یہ رہی کہ مسئلہ احادیث کی روشنی میں منقح ہوکر سامنے آجائے، چنانچہ کئی ماہ کی مسلسل کاوش کے بعد اردو زبان میں پہلا رسالہ دو ہاتھ سے مصافحہ کی مسنونیت پر قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے ناکارہ کو یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ رسالہ مسئلہ کی تنقیح میں کافی ووافی ثابت ہوگا۔

دعاء ہے کہ اللہ پاک اس کاوش کو قبول فرمائے۔ذریعہ نجات بنائے۔

هو الحبيب الذى ترجى شفاعته - لكل هول من الأهوال مقتحم

فقط

مفتی حبیب اللہ قاسمی

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور
سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا
۱۴۱۵/۳/۵ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين، أما بعد!

هو الحبيب الذی ترجی شفاعته

لكل هول من الأهوال مقتحم

مصافحہ کی لغوی تحقیق:

مصافحہ عربی لفظ ہے اگرچہ بعض حضرات نے اس کو غیر عربی قرار دیا ہے، لیکن ان حضرات کی بات کو اہل لغت ومحدثین نے ناقابل التفات قرار دیا ہے۔ مصافحہ صرفی اعتبار سے باب مفاعلہ سے ہے اور یہ صفح یا صفحۃ سے ماخوذ ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے یہ ہے کہ اس کا مادہ صفحۃ ہے، اس سے مراد ہتھیلی کو ہتھیلی سے ملانا ہے، صاحب قاموس فرماتے ہیں مصافحہ کے معنی ہاتھ پکڑنے کے ہیں جس طرح ''تصافح'' کے معنی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنا ہے، قاموس کے شارح صاحب تاج العروس لکھتے ہیں مصافحہ کا اطلاق اس وقت کیا جائے گا جب ایک شخص اپنی ہتھیلی کا باطنی حصہ دوسرے شخص کی ہتھیلی کے باطنی حصہ سے ملا دے، صاحب لسان العرب اور صاحب اساس نے مصافحہ

کی تشریح ان الفاظ سے کی ہے، ''ہتھیلی کو ہتھیلی سے چپکا دینا اور چہرہ سے ایک کا دوسرے کی طرف متوجہ ہونا''، ملا علی قاری نے بھی تقریباً مصافحہ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے (عون المعبود ۴/۵۲۱، تحفۃ الاحوذی ۷/۵۱۳، فتح الباری ۱۱/۵۴، مرقاۃ ۴/۴/۵۷)۔

مصافحہ کی شرعی تحقیق:

مصافحہ کے لغوی معنی کی رعایت کے ساتھ مسنون طریقہ کے مطابق سلام کے بعد ملاقات کے وقت سنت کی نیت سے مصافحہ کرنا یقیناً باعث اجر وثواب ہے، لیکن اگر کسی نے ہتھیلی کا ظاہری حصہ دوسرے کی ہتھیلی کے ظاہری یا باطنی حصہ پر رکھ دیا تو شرعی اعتبار سے یہ بھی مصافحہ نہیں ہے، اگر کسی نے صرف بائیں ہاتھ سے بلا عذر شرعی یا طبعی مصافحہ کیا تو شرعاً اس پر بھی مصافحہ کا اطلاق نصوص احادیث کے خلاف ہے، دوسرے شخص کی مشغولیت کی وجہ سے کلائی کو مصافحہ کرنے والے نے پکڑ لیا یا مس کر دیا اس کو بھی شرعاً مصافحہ نہیں کہیں گے، بلا عذر شرعی یا طبعی مصافحہ میں ایک نے دوسرے کی ہتھیلی کو صرف مس (ٹچ) کیا تو شرعاً یہ بھی مصافحہ نہیں چونکہ بعض حضرات نے ''الصاق'' کی قید لگائی ہے، اسی طرح اگر کسی نے کپڑے کے اوپر سے مصافحہ کیا تو وہ بھی مصافحہ معتبر نہیں مصافحہ بغیر حائل کے ہونا چاہئے (اوجز ۶/۱۹۳)۔

مصافحہ کے وقت دونوں کا چہرہ آمنے سامنے ہونا چاہئے:

اگر کسی نے مصافحہ کیا لیکن بلا عذر شرعی یا طبعی چہرہ دونوں کا دو طرف ہے

آمنے سامنے نہیں تو شرعاً اس پر کامل مصافحہ کا اطلاق نہیں کیا جائے گا، چونکہ مصافحہ کے مفہوم میں اقبال وجہ داخل ہے اگر مصافحہ میں تسلیم قول کی تاکید ملحوظ نہیں رکھی گئی تو مقصد و مقصود کے اعتبار سے یہ شرعی مصافحہ نہیں ہوگا۔ اگر طرفین میں سے ایک نے بھی تسلیم قولی کی تاکید کو پیش نظر رکھا تو اس کے حق میں یہ مصافحہ شرعاً تام ہوگا۔ اگر بغیر سلام کئے صرف مصافحہ کیا گیا تو شرعاً فعل عبث کے مترادف ہے چونکہ سلام کا تتمہ مصافحہ کو قرار دیا گیا ہے، چونکہ یہ ایک شرعی عمل ہے اسلئے اس میں الفاظ اوقات مقامات کے اعتبار سے ان سارے نکات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جن کا لحاظ شریعت نے کیا ہے لہذا کسی چیز کا ترک یا کسی جز کا اضافہ یقیناً شرعاً غیر مقبول ہوگا۔

مصافحہ کی شرعی حیثیت:

مصافحہ، نبوی، شرعی، معمول بہا، متوارث، مستحسن، مقبول، ماجور، عمل ہے، ابوبکر الرویانی نے اپنی کتاب ''مسند'' میں پوری سند کے ساتھ حضرت براء بن عازبؓ کی روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں ''میں نے ایک بار اللہ کے رسول ﷺ سے ملاقات کی تو آپ نے مجھ سے مصافحہ فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں تو مصافحہ کو عجمیوں کا طریقہ اور ان کا شعار سمجھتا تھا، آپ نے فرمایا ہم مصافحہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس طرح حضرت براء بن عازب کے ذہن میں مصافحہ کے بارے میں جو عجمیوں کا تصور تھا وہ دور ہو گیا اور ایک اسلامی و مقبول عمل کے تصورات پیدا ہو گئے (فتح الباری ۵۵/۱۱)۔

سارے صحابہ وتابعین، فقہاء ومحدثین سلفاً وخلفاً مصافحہ کے جواز کے قائل ہیں (فتح الباری ۵۵/۱۱)۔

بلکہ ابن بطال نے عام علماء کے نزدیک اس عمل کا مستحسن ہونا نقل کیا ہے (عمدۃ القاری ۲۵۲/۲۲) البتہ ابن عبدالبر نے بحوالہ ابن وہب حضرت امام مالک سے کراہیت کا قول نقل کیا ہے (فتح الباری ۵۵/۱۱)۔

حضرت امام مالک کی رائے:

لیکن علامہ عینی کی تصریح کے مطابق حضرت امام مالک بھی مصافحہ کے استحباب کے قائل ہوگئے تھے، "**وقد استحبها مالک بعد کراهته**" (عمدۃ القاری ۲۵۲/۲۲، عون المعبود ۵۲۲/۴)، اگرچہ ابتداءً حضرت امام مالکؒ کے کراہیۃ کے قائل ہونے کی وجہ سے سحنون مالکی اور دوسرے بہت سے مالکیہ کراہیت کے قائل ہوگئے تھے لیکن امام مالکؒ کے اس اسلوب سے جو موطا میں ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ بھی جواز بلکہ استحباب کے قائل ہوگئے تھے، امام ابہری نے کراہیت کے قول کی تاویل یہ کی ہے کہ یہ تکبر پر محمول ہے جب مصافحہ علی وجہ التکبیر ہو تب مکروہ ہے ورنہ نہیں (بذل المجہود ۱۴۸/۲۰)۔امام نووی فرماتے ہیں ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ سنت ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے، "**المصافحة سنة مجمع عليها عند التلاقی**" (عمدۃ القاری ۲۵۲/۲۲)۔

مصافحہ کے بارہ میں صاحب تحفہ کی رائے:

بلکہ صاحب تحفہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے مصافحہ کو سنت مؤکدہ قرار دیا ہے، ”فإن المصافحة سنة مؤكدة“ (تحفۃ الاحوذی ۷/۵۱۶)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مصافحہ کے جائز بلکہ سنت ہونے میں کوئی کلام نہیں اس عمل کا مسنون ہونا متفق علیہ ہے اور رسلفاً وخلفاً مسلسل اس پر عمل ہوتا رہا ہے سرکار دوعالم ﷺ کے مبارک دور سے آج تک یہ عمل باقی وجاری ہے۔

مصافحہ کا وقت مشروع:

جس طرح شریعت نے مصافحہ کا طریقہ بتلایا ہے اسی طرح اس کا وقت مشروع بھی بتلایا ہے لہذا اگر کسی نے شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کے خلاف مصافحہ کیا تو وہ مصافحہ شرعاً معتبر نہیں اسی طرح اگر کسی نے اس وقت کے علاوہ اوقات میں مصافحہ کیا جو وقت مصافحہ کے لئے مشروع نہیں تو یہ مصافحہ بھی معتبر نہیں اس وقت اس عمل پر نبوی اور مسنون ہونے کی مہر نہیں لگے گی اس لئے یہ معلوم کر لینا بھی ضروری ہے کہ مصافحہ کا وقت مشروع کونسا ہے تو حضرات محدثین وفقہاء نے روایات کی روشنی میں اس کی تصریح کی ہے کہ مصافحہ کا وقت مشروع ملاقات ہے یعنی جب کسی کی کسی سے ملاقات ہو تو سلام کے بعد مصافحہ کرے لہذا اگر کسی شخص سے ملاقات ہوئی اور ملاقات

کے وقت مصافحہ نہیں کیا اور دونوں اپنے اپنے کام میں مصروف ہوگئے اس کے بعد مصافحہ کیا تو یہ مصافحہ غیر مشروع وقت میں ہوا لہذا اس کو مسنون مصافحہ نہیں کہیں گے۔

”فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذاكرة العلم وغيره مدة مديدة ثم إذا صلوا يتصافحون فأين هذا من السنة المشروعة ولهذا صرح بعض علمائنا بأنها مكروهة من البدع المذمومة، اه، واعلم أن هذه المصافحة مستحبة عند كل لقاء، قال النووی المصافحة سنة مجمع عليها عند التلاقی“ (عون المعبود ۴/۵۲۱)۔

مصافحہ کی ابتداء:

امام ابوداؤد نے اپنی کتاب ”سنن“ میں حضرت انسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب اہل یمن بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تمھارے پاس یمن والے آگئے یہی لوگ سب سے پہلے مصافحہ لے کر آئے، ”وَهُمْ أَوَّلُ مَنْ جَاءَ بِالْمُصَافَحَةِ“ (ابوداؤد ۲/۳۵۲) ظاہر الفاظ حدیث سے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مصافحہ کی ابتداء یمنیوں سے ہوئی لیکن حضرات محدثین فرماتے ہیں اس سے مراد کثرت اور شیوع ہے یعنی کثرت سے مصافحہ اور مصافحہ کو کثرت کے ذریعہ پھیلانے میں یمنیوں کو اولیت حاصل ہے چونکہ روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مصافحہ کا

رواج ان سے پہلے صحابہ کرام میں تھا چنانچہ امام بخاری نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' میں بحوالہ قتادہ حضرت انسؓ ہی کی دوسری روایت نقل کی ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سوال کیا، کیا مصافحہ کا رواج صحابہ کرام میں تھا؟ حضرت انسؓ نے فرمایاہاں (فتح الباری ۱۱/۵۴)۔

اسی طرح امام بخاری وامام مسلم نے حضرت کعب بن مالک کی روایت نقل کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت کعب بن مالک مسجد میں داخل ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کی موجودگی میں حضرت طلحہ بن عبیداللہ تیزی کے ساتھ حضرت کعب کی طرف بڑھے اورسلام کر کے مصافحہ کیااور مبارکبادی (عون المعبود ۴/۵۲۲، وبذل المجہود ۵/۳۲۵)۔

کثرت مصافحہ:

ابوداؤد شریف کی روایت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ کثرت سے مصافحہ کرنے والے یمنی ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو جس انداز سے بیان کیا اس میں یمنیوں کی پذیرائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ کثرت مصافحہ معیوب ومذموم نہیں بلکہ مستحسن ہے، مصافحہ کوتتمہ سلام کہا گیا ہے لہذا جب کسی کوسلام کیا جائے تواس سے مصافحہ کرنے پراجر ملے گا دنیوی واخروی منافع کے تذکرہ کے ضمن میں بھی انشاءاللہ یہ بات آئے گی اوران منافع کا بھی تقاضا یہی ہے کہ مصافحہ کثرت سے کیا جائے، حضرت ابوذرؓ سے ایک صاحب نے سوال کیا، کیا اللہ کے رسول ﷺ آپ لوگوں سے ملاقات کے وقت مصافحہ

کرتے تھے حضرت ابوذرؓ نے فرمایا:"مَا لَقِيتُهُ قَطُّ إِلَّا صَافَحَنِي" ۔

جب جب ملاقات ہوئی سلام کے بعد آپ نے مصافحہ کیا، اخرجہ ابوداؤد واحمد (اوجز ۱۹۲/۶، عون المعبود ۵۲۲/۴)، بعض لوگ مصافحہ کو طویل سفر سے آمد یا طویل سفر کے لئے روانگی کے ساتھ خاص کرتے ہیں لیکن ان حضرات کی یہ تخصیص بلا وجہ ہے روایات وتعامل سلف اس انداز کے تخصیصی اشارات سے خالی ہیں اس لئے سلام کے ساتھ مصافحہ کو جتنا رواج دیا جائے بہتر ہے اس میں ایک سنت کا احیاء اور اس کی ترویج ہے۔

مصافحہ کے منافع دنیویہ:

حضرت رسول کریم ﷺ کا بتلایا ہوا معمول بہا پسندیدہ عمل اور وہ اجر سے خالی ہو، ہو ہی نہیں سکتا، اخروی اجر وثواب کے ساتھ آپ کے بتلائے ہوئے اعمال میں دنیوی منافع بھی ضرور ہوتے ہیں، چنانچہ مصافحہ کے دنیوی منافع میں سب سے اہم نفع یہ ہے کہ اس سے دل کی کدورتیں (غل، حقد، عداوۃ) دور ہوتی ہیں، کینہ، حسد، بغض وعداوت کو دور کرنے کا یہ نبوی طریقہ ہے۔ ارشاد فرمایا:"تَصَافَحُوا يُذْهِبُ الشَّحْنَاءَ" مصافحہ کیا کرو اس سے حسد، بغض، عداوت ختم ہوجائے گی، امام مالکؒ نے مؤطا میں اس روایت کو نقل فرمایا ہے (اوجز ۱۹۲/۶)، اور سینہ کینہ سے اور دل حسد بغض وعداوت سے جب خالی ہوجائے گا تو یقیناً اس میں محبت پیدا ہوگی اور مصافحہ محبت کے پیدا کرنے اور اس میں اضافہ کرنے میں معاون ومحد ثابت ہوگا چنانچہ اسی

وجہ سے علامہ کرمانی شارح بخاری فرماتے ہیں:"المصافحة الأخذ باليد وهو مما يولد المحبة" مصافحہ سے محبت پیدا ہوتی ہے (عمدۃ القاری ۲۲/۲۵۲)۔

مصافحہ سے محبت پیدا ہوتی ہے:

اسی طرح علامہ منذری فرماتے ہیں:"وهي ما تثبت الود و تأكد المحبة" مصافحہ مثبت ومؤکد محبت ہے (عون المعبود ۴/۵۲۲)، ایک بار کا واقعہ ہے جب حضرت کعب بن مالک کی توبہ قبول ہوئی تھی نماز کے لئے حضرت کعب مسجد نبوی میں تشریف لائے اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما تھے آپ کی موجودگی میں حضرت طلحہ تیزی کے ساتھ حضرت کعب کی طرف بڑھے، اور سلام کر کے مصافحہ کیا اور قبولیت توبہ پر مبارکبادی دی، حضرت کعب بن مالک کو یہ بات زندگی بھر یاد رہی اور فرماتے تھے کہ میں طلحہ کے مصافحہ کو بھول نہیں سکتا (قالہ المنذری کما فی عون المعبود ۴/۵۲۲)۔

مصافحہ کے منافع اخرویہ:

دنیوی منافع کے بعد اخروی منافع بھی ذکر کئے جاتے ہیں:

نفع اول (۱):

مصافحہ کی وجہ سے مغفرت کا ہونا:

امام ترمذی وابوداؤد وابن ماجہ نے بروایت حضرت براء بن عازب ؓ یہ حدیث

نقل کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جب دو مسلمان کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے اور دونوں سلام کر کے مصافحہ کرتے ہیں تو دونوں کے جدا ہونے یا مصافحہ سے فارغ ہونے سے پہلے مغفرت کردی جاتی ہے (تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ۷/۵۱۷، عون المعبود شرح ابی داؤد ۴/۵۲۱)۔

نفع دوم (۲):

ابن السنی نے بروایت حضرت انسؓ یہی حدیث قدرے تفاوت الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ایسے دو بندے جن کے درمیان صرف اللہ واسطے محبت ہو جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور سلام کے بعد مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے جدا ہونے سے قبل ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں (تحفہ ۷/۵۱۸)۔

نفع سوم (۳):

مصافحہ سے گناہوں کا جھڑنا:

حافظ عبدالعظیم المنذری نے اپنی کتاب الترغیب والترہیب میں بحوالہ امام طبرانی حضرت حذیفہ بن الیمان کی روایت نقل کی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا مؤمن جب مؤمن سے ملتا ہے اور سلام کر کے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑا کرتے ہیں، ''تَنَاثَرَتْ

خَطَایَاهُمَا كَمَا یَتَنَاثَرُ وَرَقُ الشَّجَرِ"۔

نفع چہارم (۴):

امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت نقل کی ہے، ''اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملتا ہے اور اس سے سلام کے بعد مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح پت جھڑ کے زمانہ میں خشک درختوں سے پتے جھڑا کرتے ہیں اور دونوں کی مغفرت کردی جاتی ہے دونوں کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔ اشارہ ہے کثرت کی طرف یعنی بہت زیادہ گناہ ہوں تب بھی معاف ہوجاتے ہیں (تحفۃ الاحوذی ۷/۵۱۸)۔

نفع پنجم (۵):

مصافحہ کے وقت دعاء کی قبولیت:

ابویعلی، بزار، امام احمد نے بروایت انسؓ یہ حدیث نقل کی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو (اللہ کے وعدہ کے مطابق) اللہ پر واجب ہوجاتا ہے کہ ان دونوں کی دعا قبول کرے اور مصافحہ سے فارغ ہونے سے پہلے ان دونوں کی مغفرت کردے (رجال احمد رجال الصحیح) امام احمد کی سند کے رجال صحیح کے رجال ہیں، اسی مضمون کی ایک دوسری

حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابوامامہؓ ہیں امام طبرانی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

نفع ششم (٦):

صاحب کنز العمال نے بروایت ابن النجار حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث نقل کی ہے جو مسلمان کسی مسلمان سے اس حال میں مصافحہ کرتا ہے کہ دونوں کا دل ایک دوسرے سے صاف ہوتا ہے کسی کے دل میں کسی کی طرف سے بغض، عداوت، کینہ، حسد جیسے امراض مہلکہ نہیں ہوتے تو دونوں کی مغفرت جدا ہونے سے پہلے کردی جاتی ہے۔

نفع ہفتم (٧):

کنز العمال ہی میں دوسری روایت حضرت براء بن عازب کی ہے فرماتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں اور مصافحہ کے لئے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے ہیں اور یہ مصافحہ صرف اللہ واسطے ہوتا ہے تو مصافحہ ختم ہونے سے پہلے اللہ پاک دونوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں (اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک ٦/١٩٣)۔

مصافحہ کے وقت کی دعاء:

حضرت انسؓ کی روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مصافحہ کے وقت کی دعاء ضرور

قبول ہوتی ہے لہذا اس دعاء کا جاننا بھی ضروری ہے جو مصافحہ کے وقت پڑھی جاتی ہے، احادیث میں مصافحہ کرتے وقت حمد و استغفار کا تذکرہ ہے، چنانچہ ابن السنی نے حضرت براء بن عازب کی روایت نقل کی ہے جس میں یہ ہے ''جب دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں اور دونوں اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں یعنی الحمدللہ کہتے ہیں اور دونوں استغفار کرتے ہیں تو اللہ پاک دونوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ اسی وجہ سے صاحب عون المعبود لکھتے ہیں مصافحہ کے وقت حمد و استغفار مستحب ہے یعنی مصافحہ کرنے والا، ''یغفر اللہ لنا ولکم'' کہے اور جب خیریت معلوم ہو جائے تو الحمدللہ کہے، اس طرح حمد و استغفار پر عمل ہو جائے گا، ''وإنه يستحب عند المصافحة حمد الله تعالى والاستغفار وهو قوله يغفر الله لنا ولكم'' (عون المعبود ۴/۵۲۱)۔

مصافحہ کے وقت کی نبوی دعاء:

لیکن احادیث وروایات کے دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حمد و استغفار کے علاوہ دوسری دعاؤں میں بھی کوئی مضائقہ نہیں چنانچہ ابن السنی نے بروایت حضرت انسؓ یہ حدیث نقل کی ہے، اللہ کے رسول ﷺ جب کسی کا ہاتھ مصافحہ کے لئے پکڑتے تو ''رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً'' پڑھے بغیر اس کا ہاتھ نہیں چھوڑتے (عون المعبود ۴/۵۲۱)۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ مصافحہ کے وقت ''ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة'' بھی پڑھنا چاہئے۔

مصافحہ کے وقت سر خم کرنے کا حکم:

مصافحہ کے وقت سر کو خم کرنا رکوع کے قریب ہوجانا یہ غلط ہے، چنانچہ امام ترمذی نے بروایت حضرت انسؓ حدیث نقل کی ہے، ایک صاحب نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لئے جھک جائے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں (ترمذی ۲ر۹۷)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری نے بھی فتح الباری میں بحوالہ ترمذی اس روایت کو نقل کیا ہے (۱۱ر۵۵)، اسی وجہ سے اسلاف میں سے حضرت مولانا فتح محمد صاحب نے خلاصۃ التفاسیر میں اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اس قدر جھکنا کہ قریب برکوع ہوجائے جائز نہیں'' (خلاصۃ التفاسیر ۱ر۴۱۹)، اس لئے مصافحہ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ یہ مبارک عمل کسی منکر اور غیر شرعی فعل سے آمیز نہ ہو۔

مصافحہ کے بعد ہاتھ چومنا:

اسی طرح مصافحہ کے بعد ہاتھ چومنا بھی غلط ہے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اپنے ہاتھ کی بات ہے اگر جس سے مصافحہ کیا ہے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ وہ عالم متقی ہو یا مرشد واستاذ ہو یا صالح وعادل بادشاہ ہو صحابہ کرام

سے اللہ کے رسول ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دینا ثابت ہے، چنانچہ امام ابوداؤد نے کتاب الادب میں مستقل ترجمہ قائم کیا ہے،"باب فی قبلۃ الید" اوراس ترجمہ کے تحت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے،'فَدَنَوْنَا یَعْنِیْ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَبَّلْنَا یَدَہٗ" ہم نے اللہ کے نبی ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دیا (بذل المجہود شرح ابی داؤد ۲۰/۱۶۱)، اس انداز کی روایت بہت سے محدثین نے نقل کی ہے اسی وجہ سے محدثین وفقہاء نے اس کی اجازت دی ہے البتہ اپنے ہاتھ کو مصافحہ کے بعد چومنا مکروہ ہے، "تقبیل ید نفسه إذا لقي غيره فهو مكروه فلا رخصة فيه" (درمختار ۵/۲۴۵)۔

"قال النووی تقبیل ید الرجل لزهده وصلاحه أو علمه أو شرفه أو صیانته أو نحو ذلک من الأمور الدینیة لا یکره بل یستحب فإن کان لغناه أو شوکته أو جاهلیة عند أهل الدنیا فمکروه شدید الکراهة وقال أبوسعید المتولی لا یجوز" (فتح الباری ۱۱/۵۷)۔

مصافحہ کے بعد ہاتھ سینے پر پھیرنا:

اسی طرح مصافحہ کے بعد ہاتھ کو سینہ پر پھیرنا بھی کسی حدیث سے ثابت نہیں، اس لئے یہ عمل بھی غلط ہے، ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو اس سے دھوکہ ہوا ہو کہ جس طرح دعاء کے بعد ہاتھ کو چہرہ پر پھیرا جاتا ہے اسی طرح مصافحہ کے بعد بھی ہاتھ کو سینہ پر پھیرنا چاہئے لیکن یہ قیاس غلط ہے اس لئے کہ دعاء کے بارے میں حدیث

پاک میں ہے جب بندہ اللہ کے سامنے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاتا ہے تو اللہ کو حیا آتی ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی واپس کردے "إِنَّ اللّٰهَ يَسْتَحْيِيْ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا" (ترمذی شریف) اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ دعاء کے بعد چہرہ پر ہاتھ کو پھیر لیا جائے لیکن اس طرح کی کوئی بات مصافحہ کے بارے میں نہیں ملتی۔

عورت وامرد سے مصافحہ کا حکم:

اسی طرح عورت وامرد لڑکے سے مصافحہ کرنا بھی منع ہے جن کو دیکھنا جائز نہیں ان کو چھونا بھی جائز نہیں چھونے میں فتنہ زیادہ ہے، اس لئے منع کیا گیا ہے، الا یہ کہ عورت بوڑھی غیر مشتہاۃ ہو تو اس سے مصافحہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ثابت ہے کہ بوڑھی غیر مشتہاۃ عورتوں سے آپ سلام کر کے مصافحہ کیا کرتے تھے لیکن اگر جوان ہو تب مصافحہ کی ہرگز اجازت نہیں اسی طرح امرد سے بھی ہرگز مصافحہ نہ کیا جائے علامہ عینی شارح بخاری فرماتے ہیں:

"ويستثنى من عموم الأمر بالمصافحة المرأة الاجنبية والأمرد الحسن" (عمدۃ القاری شرح بخاری ۲۲/۲۵۲)۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری کے حوالہ سے صاحب عون المعبود شارح ابی داؤد نے بھی اسی انداز کی بات نقل کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: "قال الحافظ ويستثنى من عموم الأمر بالمصافحة المرأة الأجنبية والأمرد الحسن" (عون المعبود ۴/۵۲۱، فتح الباری ۱۲/۵۵)۔

محارم سے مصافحہ کا حکم:

حضرات فقہاء ومحدثین نے جہاں عورتوں سے مصافحہ کی ممانعت فرمائی ہے وہاں اجنبیہ کی قید لگائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت اجنبیہ نہ ہو بلکہ محارم میں سے ہو جیسے ماں، بہن، خالہ، پھوپھی، بیٹی وغیرہا تو ان سے سلام کے بعد مصافحہ میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مطلوب ومستحسن ہے جس طرح ان کو سلام کرنا مطلوب ہے اسی طرح سلام کے بعد مصافحہ بھی کرنا چاہئے۔

عورتوں کا آپس میں مصافحہ کا حکم:

اسی طرح عورتوں کو چاہئے کہ آپس میں جب ایک دوسرے کو سلام کریں تو مصافحہ کیا کریں جس طرح مرد ایک دوسرے کو سلام کر کے مصافحہ کرتے ہیں اور منافع اخرویہ حاصل کرتے ہیں اسی طرح عورتوں کو بھی ان منافع سے فائدہ اٹھانا چاہئے عورتوں کا یہ سمجھنا کہ مصافحہ صرف مردوں کا عمل ہے غلط ہے، البتہ عورتوں میں بھابھیوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ شوہر کو سلام کر کے مصافحہ کریں شوہر کے چھوٹے بھائی دیور سے پردہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ فرمایا ہے یعنی دیور موت ہے، لہذا جس طرح جیٹھ شوہر کے بڑے بھائی سے پردہ کرتی ہیں اسی طرح دیور سے بھی پردہ ہے لہذا دیور سے ہرگز مصافحہ نہ کیا کریں۔

بغیر سلام کے صرف مصافحہ کا حکم:

بغیر سلام کے صرف مصافحہ غیر شرعی عمل ہے مصافحہ کو تتمہ سلام قرار دیا گیا ہے، ارشاد نبوی ہے: "مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْأَخْذُ بِالْيَدِ" یعنی جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرے اور اس کو سلام کرے تو سلام کا تکملہ یہ ہے کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ کر مصافحہ کرے (تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ۵۱۶/۷)۔ اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری نے بحوالہ امام طبرانی ایک حدیث نقل کی ہے اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا بھی معمول یہی تھا کہ جب تک سلام نہ کرتے مصافحہ نہیں کرتے تھے پہلے سلام پھر مصافحہ بغیر سلام کے مصافحہ نہیں۔

"وَلَهُ أَيْ لِلطَّبْرَانِيِّ فِي الْكَبِيْرِ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا لَقِيَ أَصْحَابَهُ لَمْ يُصَافِحْهُمْ حَتّٰى يُسَلِّمَ عَلَيْهِمْ" (فتح الباری ۵۹/۱۱)۔

لہٰذا اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ پہلے سلام کیا جائے اس کے بعد مصافحہ کیا جائے۔

غیر مسلموں سے مصافحہ کا حکم:

جس طرح بغیر سلام کے صرف مصافحہ غیر مشروع عمل ہے اسی طرح غیر مسلموں سے مصافحہ بھی غیر مشروع عمل ہے اس لئے کہ سلام کا تتمہ مصافحہ ہے اور غیر

مسلم کو ابتداء بالسلام کی اجازت نہیں البتہ مواقع غرض ضرورۃً مستثنیٰ ہیں حدیث پاک میں غیر مسلم کو سلام کرنے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ ابوداؤد شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے، ''اللہ کے رسول ﷺ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں فرمایا ان کو سلام نہ کرو'' (ابوداؤد ۲/۳۵۱)۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ فرماتے ہیں: ''کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ کسی کافر کو ابتداءً سلام کرے'' (تفسیر مظہری ۲/۲۶۵) اسی طرح امام نوویؒ نے بھی اس کی تصریح کی ہے (کتاب الاذکار/۲۱۶)۔

لیکن اگر سلام نہ کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو ''السلام علیکم'' کے بجائے ''**السلام علی من اتبع الهدی**'' کہے، **لکن فی الشرعية إذا سلم علی أهل الذمة فليقل السلام علی من اتبع الهدی**'' (ردالمحتار ۵/۲۶۴) یہی بات ملا علی قاری نے بھی قاضی عیاض کے حوالہ سے لکھی ہے۔ ''**وحكی القاضی عياض عن جماعة أنه يجوز ابتدائهم للضرورة والحاجة**'' (مرقاۃ ۴/۵۵۶)۔

لیکن ملا علی قاری شارح مشکوۃ المصابیح کی رائے یہ ہے کہ اصلح یہی ہے کہ سلام نہ کیا جائے اور اسی کو انہوں نے اصح قرار دیا ہے۔

مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی کی رائے:

لیکن مولانا فتح محمد صاحب تائب لکھنوی کی رائے یہ ہے کہ مغلوبی اور فتنہ کے

زمانے میں کافروں کو خصوصاً صاحب اقتدار و با اثر افراد کو سلام کرنے میں پہل نہ کرنا موجب فتنہ ہے، اس لئے مستحسن یہ ہے کہ ان کو سلام کے لئے انہیں کے الفاظ آداب وغیرہ اختیار کرے (خلاصۃ التفاسیر ۱/۴۲۰)۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی کافر حاکم کے پاس اپنی ضرورت لے کر جائے تو اس وقت اس حاکم کافر کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں، ”بل کان لغرض من الأغراض الصحیحة فلا بأس به الخ، قال في التاتارخانیة لأن النهی عن السلام لتوقیره ولا توقیر إذا کان السلام لحاجة“ (ردالمحتار ۵/۲۶۵۔۲۶۴)۔ مزید تفصیلات کے لئے راقم السطور کی کتاب ”احب الکلام فی مسئلۃ السلام“ (اسلام میں سلام کی اہمیت وحیثیت) کا مطالعہ کریں اس میں سلام سے متعلق تمام تر جزئیات تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

کافر کو سلام نہ کرنے کی علتِ غائیہ:

دوسری بات یہ ہے کہ مصافحہ کی جتنی روایتیں ہیں ان سب میں مؤمن یا مسلم کی تصریح ہے یعنی جب مسلمان مسلمان سے ملے، یا مؤمن کی ملاقات مومن سے ہو اور مصافحہ باعث از دیاد محبت ہے مصافحہ تسلیم قولی کی تاکید ہے اس سے محبت ومؤدت پیدا ہوتی ہے اور کافر کے بارے میں ارشاد باری ہے: ”لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ“ میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ جو اللہ کا نہیں وہ اللہ کے بندوں کا کب اپنا ہوسکتا ہے ان پر اعتماد کرنا ہی حماقت ہے، بے ایمان کبھی ایمان دار

نہیں ہوسکتا۔ نیز یہ کہ صراحۃً مصافحہ کی ممانعت بھی حدیث پاک میں موجود ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے:"لَا تُصَافِحُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى" یہود ونصاری (غیر مسلموں) سے مصافحہ نہ کرو، امام طبرانی نے اوسط میں اس حدیث کو نقل کیا ہے، چونکہ اس میں اعداء اللہ کا احترام ہے اور مسلمانوں کو اللہ کے دشمن کے احترام سے روکا گیا ہے،"وفقنا الله وجميع المسلمين لما يحب ويرضى"۔

نماز عصر وفجر کے بعد مصافحہ کا حکم:

فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کا التزام جیسا کہ بعض فرق ضالہ کے یہاں واجبات دین میں سے ہے، اس کا دین وشریعت سے کوئی واسطہ نہیں ہے اس مسئلہ کے بارے میں محدثین نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تفصیل نذر قارئین ہے، امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ مصافحہ ملاقات کے وقت مستحب ہے لیکن فجر وعصر کے بعد جو مصافحہ کے عادی ہیں شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے (عون المعبود ۴/۵۲۱)۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری نے بھی فتح الباری میں اسی انداز کی بات لکھی ہے اور اس تخصیص کو مکروہ قرار دیا ہے (فتح الباری ۱۱/۵۵) ملا علی قاری شارح مشکوۃ نے عصر وفجر کے بعد مصافحہ کو بدعت مذمومہ قرار دیا ہے،"وإنها من البدع المذمومة" (مرقاۃ ۴/۵۷۵)۔

ملا علی قاری نے جو فرمایا ہے وہی حق ودرست ہے:"والذی قاله علی

القاری هو الحق و الصواب‘‘ (عون المعبود شرح أبی داؤد ۴/۵۲۱)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

’’إنها بدعة مكروهة لا أصل لها فى الشرع و أنه ينبه فاعلها أولاً ويعزر ثانياً‘‘۔

یعنی عصر و فجر کے بعد مصافحہ بدعت مکروہ ہے اس کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے، عصر و فجر کے بعد مصافحہ کرنے والے کو پہلی بار تنبیہ کی جائے اگر مان جائے تو ٹھیک ہے ورنہ دوبارہ اس کی تعزیر کی جائے (اسلام میں سلام کی اہمیت وحیثیت/۱۰۱)۔

نماز کے بعد مصافحہ روافض کا طریقہ ہے:

صاحب تبیین المحارم فرماتے ہیں: نماز کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ صحابہ نے نماز کی ادائیگی کے بعد مصافحہ نہیں کیا، اور یہ روافض کا طریقہ ہے: ’’تكره المصافحة بعد أداء الصلوة بكل حال لأن الصحابة رضى الله عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلوة ولأنها من سنن الروافض‘‘ (رد المحتار ۵/۲۴۴)، ابن الحاج مالکی فرماتے ہیں کہ فجر وعصر کے بعد مصافحہ بدعت ہے، شریعت میں مصافحہ کا وقت ملاقات ہے لہذا جب کسی سے ملاقات ہو تو سلام کرکے اس سے مصافحہ کرے نماز کے بعد مصافحہ کا محل نہیں ہے لہذا مصافحہ کو شریعت نے جو مقام دیا ہے اس کو اس کے مقام پر رکھا جائے اور جو اس کے خلاف کرے اس کی تعزیر

کی جائے چونکہ وہ خلاف سنت کا مرتکب ہے۔

”قال ابن الحاج من المالكية فی المدخل إنها من البدع وموضع المصافحة فی الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا فی إدبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعها فينهی عن ذلک ويزجر فاعله لما أتی به من خلاف السنة“ (شامی ۲۴۴/۵)۔اسی طرح کے اقوال اور بہت سے حضرات محدثین وفقہاء کے ہیں اختصار کی وجہ سے صرف چند اقوال یہاں ذکر کئے گئے ہیں۔

عیدین کے بعد مصافحہ کا حکم:

جس طرح فجر وعصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعت ہے اسی طرح عیدین کے بعد مصافحہ کا التزام بھی بدعت ہے چنانچہ صاحب عون المعبود فرماتے ہیں:”قلت وكذا المصافحة والمعانقة بعد صلوة العيدين من البدع المذمومة المخالفة للشرع“ (عون المعبود شرح ابی داؤد ۵۲۱/۴)۔

اسی طرح عیدین کے بعد مصافحہ ومعانقہ ایسی مذموم بدعت ہے جو شریعت کے مخالف ہے، حضرات صحابہ کرام نے کبھی بھی عیدین کے بعد اللہ کے رسول ﷺ سے مصافحہ نہیں کیا اور نہ دور صحابہ وتابعین میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کا حکم:

صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کسی روایت سے ثابت نہیں، کسی بھی محدث نے

"باب المصافحة بيد واحدة" کے عنوان سے ترجمہ قائم نہیں کیا اور کسی بھی محدث نے مصافحہ کے عنوان کے تحت صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کی روایت نقل نہیں کی اسی وجہ سے ائمہ اربعہ میں سے کسی بھی امام کے یہاں "المصافحة بيد واحدة سنة" جزئیہ نہیں ملتا اس کے بجائے یہ ضرور ملتا ہے، "والسنة أن تكون المصافحة بكلتا يديه" (ردالمحتار)، وہکذا فی القنیۃ صاحب قنیہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے، علامہ علاؤالدین حصکفی نے بھی قنیہ کے حوالہ سے یہی لکھا ہے "السنة فی المصافحة بكلتا يديه"۔

لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ حدیث مسلسل بالمصافحہ جو ہم تک محدثین سے نسلاً بعد نسلٍ وقرناً بعد قرنٍ پہنچی ہے وہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کی ہے، "وَلَا يَذْهَبُ عَلَيْكَ أَنَّ السُّنَّةَ فِي الْمُصَافَحَةِ أَنْ تَكُوْنَ بِالْيَدَيْنِ كَمَا هُوَ الْمَعْرُوْفُ عَنِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَالْمُتَوَارَثُ عَنِ الْمَشَائِخِ أَنْ يَلْصِقَا بَطْنَ كَفَّيْ يَمِيْنِهَا وَيَجْعَلَا بَطْنَ كَفِّ يَسَارِيْهِمَا عَلٰى ظَهْرِ كَفِّ يَمِيْنِ الْآخَرِ هٰكَذَا وَصَلَ إِلَيْنَا فِي الْحَدِيْثِ الْمُسَلْسَلِ بِالْمُصَافَحَةِ" (اوجزالمسالک شرح مؤطاامام مالک ۶/۱۹۲)۔اوراگر کوئی یہ کہے کہ صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کسی حدیث سے ثابت نہیں اور کسی محدث نے مصافحہ کے عنوان کے تحت صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کی روایت نقل نہیں کی تو وہ حق بجانب ہے اس کی بات قابل قبول ہے اگر چہ بعض منکرین حدیث نے زبردستی دوسرے ابواب کی روایات سے ایک ہاتھ سے

مصافحہ کو ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے اور غیر عالم وناخواندہ افراد کو بیوقوف بنانے کی کوشش کی ہے اس کا تفصیلی تجزیہ آئندہ اوراق میں انشاءاللہ پیش کیا جائے گا۔

دو ہاتھ سے مصافحہ کا انکار حدیث کا انکار ہے:

حاصل کلام یہ ہے کہ صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کو سنت قرار دے کر دو ہاتھ سے مسنون مصافحہ کو غلط قرار دینا صریح وصحیح حدیث کا انکار ہے اور یہ دن دھاڑے ڈاکہ کے مترادف ہے قربان جایئے انصاف پرست وحق گو اکابرین ومحدثین پر ترمذی شریف کے شارح صاحب کوکب دری فرماتے ہیں:

ایک ہاتھ سے مصافحہ انگریزوں کا شعار ہے:

”إن المصافحة بيد واحدة لما كانت شعار أهل الافرنج وجب تركه لذلك“ (کوکب الدری شرح ترمذی ۱۴۲/۲)۔یعنی ایک ہاتھ سے مصافحہ انگریزوں کا شعار بن چکا ہے لہذا اس کا چھوڑنا واجب ہے اسی طرح کی بات صاحب اعلاء السنن نے بھی لکھی ہے:

ایک ہاتھ سے مصافحہ اہل باطل کا شعار ہے:

”ثم المصافحة باليد الواحدة من شعار أهل الباطل فی زماننا فلا ینبغی التشبه بهم بترک ما هو المتوارث المتعارف بين المسلمين“

(اعلاء السنن فی الحدیث النبوی ۱۷/۴۳۳) یعنی ایک ہاتھ سے مصافحہ ہمارے زمانہ میں اہل باطل کا شعار بن چکا ہے لہذا اس طریقہ کو چھوڑ کو جو اہل حق مسلمانوں میں متعارف اور متوارث ہے اہل باطل کی مشابہت اختیار کرنا کسی حال میں مناسب نہیں۔

خلاصۂ کلام:

یہ واقعہ ہے ہر صاحب بصیرت اس کی تصدیق کرتا ہے کوئی بھی انگریز یا ہندو یا مجوسی یا مشرک یا کافر دونوں ہاتھ سے مصافحہ نہیں کرتا صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں، اور ایک ہاتھ سے مصافحہ ان کا شعار بن چکا ہے اب اگر کوئی مسلمان صرف ایک ہاتھ سے بلاضرورت شرعیہ یا طبعیہ مصافحہ کرتا ہے تو یقیناً اہل باطل وکفار کی مشابہت اس عمل میں لازم آئے گی، حالانکہ تشبہ کے مسئلہ میں اسلام کی ہدایات انتہائی سخت ہیں، تشبہ بالاغیار کی ممانعت ضابطہ وکلیہ کی صورت میں اس ارشاد نبوی میں موجود ہے: "من تشبه بقوم فهو منهم".

تشبہ بالاغیار کی ممانعت:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انجام کے اعتبار سے اسی قوم میں شمار ہوگا (ابوداؤد)، یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ بھی اعمال میں اس بات پر گہری نظر رکھتے تھے کہ اہل باطل واغیار کی مشابہت تو اس میں نہیں ہے۔ ایک بار حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو ایک ولیمہ میں

بلایا گیا آپ نے پہنچ کر دیکھا کہ اسمیں کچھ عجمی رسمیں ادا کی جارہی ہیں آپ فوراً واپس آ گئے اور فرمایا ''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ'' (اقتضاء الصراط المستقیم)۔

تشبہ سے بچنے کی ہدایت:

امام احمد بن حنبل جو فقیہ وامام کے ساتھ زبردست محدث ہیں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے گدی کے بال منڈوانے سے منع فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ مجوسیوں کا فعل ہے: ''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ''، اسی حدیث کے تحت حضرت حسنؒ فرمایا کرتے تھے: ''قُلَّمَا تَشَبَّهَ رَجُلٌ بِقَوْمٍ إِلَّا كَانَ مِنْهُمْ'' بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کسی قوم کی مشابہت اختیار کی جائے اور دوسرے اعمال میں اس کی اتباع نہ ہو انجام کار کے اعتبار سے وہ اسی قوم کا ہوجاتا ہے اسی وجہ سے خطاب بن معلّی مخزومی نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی تھی ''تشبه بأهل العقل تكن منهم وتصنع الشرف تدركه'' (روضۃ العقلاء لابن حبان) داناؤں کی مشابہت اختیار کرو انہی میں سے ہوجاؤ گے، اور بناوٹ سے بھی شرف کی طرف جھکو گے تو شرافت حاصل کرلو گے ۔

فتشبهوا إن لم تكونوا مثلهم
إن التشبه بالكرام فلاح

اے لوگو! کریموں کی مشابہت اختیار کرو اگر تم ان جیسے نہیں ہو چونکہ کرام

کی مشابہت پیدا کر لینا ہی بڑی کامیابی ہے۔

حضرت عمر کا عربوں کے نام مکتوب

حضرت نبی اکرم ﷺ کے قریب ترین اور معتمد خاص و مزاج شناس صحابی حضرت عمر فاروقؓ نے اسی وجہ سے آذربائیجان کی عرب رعایا کے نام ان الفاظ میں ہدایات جاری کیں:

”أما بعد فاتزروا وارتدوا وانتعلوا وادموا بالخفاف والقوا السراويلات عليكم بلباس أبيكم إسماعيل وإياكم والتنعم وذى العجم وعليكم بالشمس فإنها حمام العرب وتمعنوا طفلاً واخشوشنوا واخلو لقوا واقطعوا الركب و ادموا الاغراض اونزوا“ (کنز العمال)۔

غور فرمایئے کس قدر قوت کے ساتھ قومی و اسلامی روایات سے ہم رشتہ رہنے کی تلقین فرمائی ہے، اے لوگو! ازار و چادر استعمال کرو، چپل پہنو، خفاف ترک کردو، پاجاموں کے پابند نہ بنو، اپنے جد اعلی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کا لباس اپنے لئے ضروری سمجھو، اور خبردار تنعم اور عجمیوں کی ہیئت و مشابہت اختیار نہ کرنا، حمام کی ضرورت ہو تو دھوپ کو کافی سمجھو یہی عرب کا حمام ہے۔ طفلانہ شوخی اختیار نہ کرو، کھردار کپڑا پہنو، پھٹے پرانے سے پرہیز نہ کرو، سواری کرتے رہو، نشانہ بازی کو شعار بناؤ، کود پھاند بھاگ دوڑ جاری رکھو۔

دور فاروقی میں جب ملک عجم کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور عجمیوں کا

اختلاط عربوں سے بڑھنے لگا تو تحفظ حدود وشعائر کا اہتمام کیا گیا، کیونکہ بہت سے عربوں کا اپنی خالص اور سادہ عربیت کو چھوڑ کر عجمیوں کی نظر فریب معاشرت کا شکار ہو جانا بعید نہ تھا، عہد فاروقی میں حضرت فاروق اعظمؓ کے قلم سے نکلی ہوئی ہدایات کے چند اقتباسات ملاحظہ فرما چکے۔

قوم مسلم کو اپنی شناخت کی حفاظت بھی ضروری ہے:

اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ قوموں کی باہمی پہچان و تمیز بھی اسلامی مقاصد میں سے ہے اور یہ محض اس لئے تاکہ ہر قوم اپنی قومیت پر باقی رہے اور اس طرح ہر قوم کی حق یا باطل خصوصیات دیکھیں جاسکیں اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ کفار و اغیار کی ظاہری یا باطنی مشابہت پر گہری نظر رکھیں اور ان اعمال سے مکمل پرہیز کریں جو ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے والے ہوں تاکہ اسلام اپنے پورے تشخصات سے جانا و پہچانا جاسکے اور اغیار کی ہر قسم کی آمیزش سے اسلام محفوظ رہ سکے ۔

إذا كان رب البيت بالطبل ضارباً
فلا تلم الأولاد فيه على الرقص

خلاصۂ کلام:

حاصل کلام یہ ہے کہ صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کو ضروری سمجھنا اور عملاً اس پر

اصرار کرنا بالکل غلط ہے بلکہ مشابہت بالاغیار کی وجہ سے یہ واجب الترک ہے البتہ کسی عذر کی وجہ سے کبھی کبھار ایک ہاتھ سے مصافحہ میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس کا عادی ہونا روح شریعت کے خلاف اور احادیث صریحہ کی مخالفت بلکہ اس سے بغاوت کے مترادف ہے ''اللهم احفظنا واحفظ جميع المسلمين منها''.

مصافحہ کا مسنون طریقہ:

مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سے بغیر کسی حائل کے ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ کیا جائے اور ابہام کو پکڑ کر قدرے دبائے چونکہ اس میں ایک رگ ہوتی ہے جس سے محبت پیدا ہوتی ہے اس طرح غیر محسوس انداز میں مصافحہ کے منافع میں سے ایک نفع ''أن يولد المحبة'' تولید محبت وجود میں آتا ہے۔

''وَالسُّنَّةُ أَنْ تَكُونَ بِكِلْتَا يَدَيْهِ وَبِغَيْرِ حَائِلٍ مِنْ ثَوْبٍ أَوْ غَيْرِهِ . وَعِنْدَ اللِّقَاءِ بَعْدَ السَّلَامِ وَأَنْ يَأْخُذَ الْإِبْهَامَ فَإِنَّ فِيْهِ عِرْقاً يُنْبِتُ الْمُحَبَّةَ كَذَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ'' (اوجز المسالک شرح موطا امام مالک ۶/۱۲۷)۔

دونوں ہاتھ سے مصافحہ کے دلائل:

اس سے قبل کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کے ثبوت پر دلائل بیان کئے جائیں اصولی طور پر چند باتوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

اصولی گفتگو:

(۱) حضرات محدثین تخریج روایت سے قبل روایت کے مناسب عنوان قائم کرتے ہیں جس کو محدثین کی اصطلاح میں ترجمۃ الباب کہتے ہیں، ترجمۃ الباب مستقل ایک فن ہے اس سے محدث کی ذہنی ذکاوت وفطانت کے ساتھ روایت میں موجود مسئلہ کے بارے میں محدث کے رجحان کا بھی اندازہ لگ جاتا ہے اور یہ ترجمہ آنے والی روایات کا ترجمان ہوا کرتا ہے، ترجمۃ الباب کے مسئلہ میں امام بخاریؒ کو ''سباق الغایات'' کہا گیا ہے، یعنی اس میدان میں امام بخاریؒ شہسوار ہی نہیں بلکہ ان کو سابقیت واولیت کا درجہ حاصل ہے، امام بخاری کی ذکاوت اور فقہی مسائل میں رجحان کا پتہ ان کے تراجم سے لگ جاتا ہے۔

''فقہ البخاری فی تراجمہ'':

(۲) ترجمۃ الباب پر روایت کا انطباق۔ یہ کام بھی انتہائی اہم ہے خصوصاً امام بخاری کے تراجم پر روایات کا انطباق انتہائی مشکل کام ہوتا ہے، اس کا اندازہ ان حضرات کو ہے جو بخاری شریف کا درس دیتے ہیں، اساتذہ حدیث بھی اس سے واقف ہیں اسی وجہ سے ''الابواب والتراجم'' کے نام سے مستقل ترجمۃ الباب ہی پر کتابیں ہیں اس نزاکت کو سمجھتے ہوئے ترجمۃ الباب سے صرف نظر کرنا اور امام بخاری کے اسلوب وانداز سے نگاہ بچا کر بات کہہ دینا بخاری اور امام بخاری کے ساتھ بددیانتی ہے۔

مصافحہ کے باب میں چار الفاظ کا استعمال:

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ مصافحہ کے باب میں چار طرح کے الفاظ کثرت سے استعمال ہوتے ہیں (۱) ید، (۲) ایدی، (۳) کف (۴) اکف، ید اور ایدی کے معنی ہاتھ کے ہیں لیکن ید واحد اور ایدی جمع ہے مگر جمع کی جگہ ید کا استعمال بھی کثرت سے ہے اس لئے کہ ید جنس ہے اور جنس کا اطلاق جہاں قلیل پر ہوتا ہے اسی طرح کثیر پر بھی ہوتا ہے لہذا ایک ہاتھ پر جس طرح ید کا اطلاق ہوگا دو ہاتھ پر بھی ید کا اطلاق ہوگا اور ید سے جس طرح ایک ہاتھ مراد لے سکتے ہیں اسی طرح دونوں ہاتھ بھی مراد لے سکتے ہیں باقی ایدی تو جمع ہے اور ایدی جمع ہونے کی بنیاد پر دو پر علی الاقل بولا ہی جائے گا۔ چار پر بھی اس کا اطلاق ہوگا خود صاحب تحفۃ الاحوذی مولانا مبارکپوری نے بھی تشریح روایت کے ضمن میں متعدد جگہ اس کی تصریح کی ہے کہ یہاں پر ید سے مراد جنس سے وحدت نہیں، چنانچہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی جلد ٦ صفحہ ۳۵۰ پر حدیث پاک "وفی یدہ کتابان" کے تحت لکھتے ہیں، "المراد بالید الجنس" اسی طرح کف اور اکف کے معنی ہتھیلی کے ہیں کف واحد ہے اور اکف جمع ہے لیکن بطور جنس کے بھی کف کا استعمال ہوتا ہے یہ ایسی علمی وفنی باتیں ہیں جن کا انکار علم وفن سے جہالت کے مترادف ہے۔ اور جن سے صرف نظر کر کے یا نگاہ بچا کر کچھ کہنا علم کی راہ میں قطع طریق کے مترادف ہے۔

ید سے مراد جنس ہے:

البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ بہت سی جگہوں پر ''ید'' سے مراد ہمارے محدثین حتی کہ خود منکرین حدیث بھی جنس لیتے ہیں تو وہ قابل قبول ہے اور مصافحہ کے باب میں صریح روایات کی روشنی میں جب محدثین بلکہ کبار محدثین یہ فرماتے ہیں کہ یہاں ''ید'' سے مراد جنس ہے تو یہ قابل قبول کیوں نہیں؟

امام بخاری کا ترجمہ باب المصافحہ کا مطلب:

امام بخاریؒ نے ترجمہ قائم کیا ہے ''باب المصافحۃ'' محدثین فرماتے ہیں اس ترجمہ سے مقصود مصافحہ کی مشروعیت کو بیان کرنا ہے ''أی هذا فی بیان مشروعیة المصافحة'' عینی شرح بخاری (۲۵۲/۲۲) بعض حضرات محدثین کی رائے یہ ہے کہ مصافحہ کے معنی کا بیان مقصود ہے، ''إن الترجمة الأولى لبيان معنى المصافحة'' الخ، (لامع الدراری شرح بخاری ۱۰/ ۲۷)، اور ان حضرات پر رد مقصود ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ مصافحہ ''صفح'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی تجاوز کے ہیں ''والغرض منه الرد على من قال فی معنى المصافحة أنه من الصفح وهو التجاوز'' (لامع ۱۰/ ۲۸)۔

امام بخاری کا حدیث عبداللہ ابن مسعود کے ذکر کا مطلب:

اس ترجمہ کے بعد امام بخاری نے مصافحہ کے اثبات میں چند روایتیں نقل کی

ہیں ان میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت کو سب سے پہلے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے جو جزو ترجمہ ہے ''وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍؓ عَلَّمَنِی رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ اَلتَّشَھُّدَ وَ کَفِّی بَیْنَ کَفَّیْہِ''، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے تشہد کی تعلیم دی اس حال میں کہ میری ہتھیلی آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی، اس تعلیق کا انطباق اور اس کی مناسبت ترجمۃ الباب سے ظاہر و باہر ہے محتاج بیان نہیں، ''مناسبة هذا التعليق للترجمة ظاهرة'' (عمدۃ القاری شرح بخاری ۲۲/۲۵۴)۔

حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری نے مسئلہ مصافحہ کے تحت حدیث عبد اللہ بن مسعود تعلیقا ذکر کر کے استشہاد بالجنس پر اکتفاء کیا ہے اگر چہ موقع استشہاد بالنوع کا تھا چونکہ امام بخاری کے شرائط کے مطابق عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت کے علاوہ کوئی دوسری روایت نہیں تھی۔

حدیث عبد اللہ ابن مسعود میں جو مصافحہ ہے وہ عند التعلیم ہے عند التسلیم نہیں:

اگر چہ حدیث عبد اللہ بن مسعود میں جس مصافحہ کا تذکرہ ہے وہ عند التعلیم ہے عند التسلیم نہیں اور تعلیم و تسلیم کے درمیان فرق محتاج بیان نہیں، ''ولما لم يكن في ذلک عند المصنف (أی الإمام البخاری) حديث على شرطه أخرج حديث ابن مسعود فی التشهد فاكتفى عن الاستشهاد على النوع

بالاستشهاد على الجنس فإن التصافح في حديثه كان عند التعليم دون التسليم و هذا غير ذلك" (فیض الباری شرح بخاری ۴/۴۱۱)۔

امام بخاری کا حدیث عبداللہ ابن مسعود کے ذکر کا مقصد:

بایں ہمہ امام بخاری کا حدیث عبداللہ بن مسعود سے استدلال جہاں استشہاد بالجنس کے نکتہ کی مؤید ہے وہیں اس بات کی بھی غماز ہے کہ ان کے پیش نظر دراصل اللہ کے رسول ﷺ کا عمل ہے اور یہ بات بہت واضح ہے کہ آپ ﷺ نے صرف ایک ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے، "بين كفيه"۔

"ثم التصافح باليدين حديث مرفوع أيضاً كما في الأدب المفرد وأراد المدرسون أن يستدلوا عليه من حديث ابن مسعود هذا فقالوا إما كون التصافح فيه باليدين من جهة النبي ﷺ فالحديث نص فيه" (فیض الباری)۔

یہ بات بہت عجیب سی ہے ہر باشعور سمجھ سکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے تو دونوں دست مبارک دراز ہوں اور صحابی رسول عبداللہ ابن مسعودؓ صرف ایک ہاتھ بڑھائیں ایسا ممکن ہی نہیں، ہاں البتہ ممکن ہے کہ راوی نے اختصاراً صرف ایک ہی ہاتھ کا تذکرہ کیا ہو چونکہ اس سے کوئی غرض وابستہ بھی نہیں ہے اور اس انداز کا تصرف اور تعبیرات کا تفاوت رواۃ کے یہاں شائع وذائع ہے محتاج ذکر نہیں۔

”وأما كونه كذلك من جهة ابن مسعود فالراوى وإن اكتفى بذكر يده الواحدة إلا أن المرجو منه أنه لم يكن ليصافحه بيده الواحدة والنبى قد صافحه بيديه الكريمتين فإنه يستبعد من مثله أن لايبسط يديه للنبى ﷺ وقد يكون النبى ﷺ بسط له يديه غير أن الراوى لم يذكره لعدم كون غرضه متعلقاً بذلك ولا ريب أن الرواة يختلفون فى التعبيرات فيخرجون عباراتهم على الاعتبارات“(فیض الباری۴/۴۱۱)۔

کفی بین کفیہ میں زیادہ افتخار ہے:

نیز یہ کہ اس انداز بیان میں جس قدر افتخار ہے کہ ”كفى بين كفيه“ یہ افتخار کف رسول اللہ ﷺ بین کفی ابن مسعودؓ میں نہیں ہے یعنی اس جملہ میں جس قدر عزت افزائی ہے کہ میرا ہاتھ سرکار دو عالم کے دونوں دست مبارک میں تھا وہ عزت افزائی اس میں نہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کا دست مبارک میرے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

”والأوجه عند هذا العبد الضعيف أن الافتخار بكون كف ابن مسعود بين كفى رسول الله ﷺ أكثر وأشد من ذكر كون رسول الله بين كفى ابن مسعود“(لامع الدراری۱۰/۶۹)۔

خلاصۂ کلام:

الغرض اس روایت سے صراحۃً اتنی بات ثابت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے

دونوں ہاتھ بڑھائے، لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ آپ ﷺ کے اسوہ پر عمل پیرا ہو اور آپ ﷺ کی اقتداء کا تقاضا یہ ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھ سے کیا جائے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ سے صراحۃً دونوں ہاتھ کا بڑھانا ثابت ہے۔ "بیــن کــفیـــه" پھر فعل صحابی کی ضرورت کہاں باقی رہ جاتی ہے۔ جستجو فعل صحابی کا حکم اس وقت ہے جب صراحۃ فعل نبی نہ ہو یا افعال نبی میں تعارض ہو اس وقت مرجحات کو تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

"**وفی تقریر مولانا محمد حسن المکی، فما ظنک بابن مسعود یـصافح النبی ﷺ بید واحدة وهو یصافحه بیدیه، لکن الراوی لم یذکره إمـا اعتـمـاداً علی ظهوره أو اعتماداً علی أن المصافحة بالیدین توخذ من فـعل النبی ﷺ حیث صافح بیدیه فینبغی لکل واحد منا أن یصافح بیدیه اقتـداء بـفضله علیه الصلوة والسلام فلا حاجة إلی بیان فعل الصحابی إذا ثبت فعله علیه الصلوة والسلام اه**" (تعلیق لامع الدراری شرح بخاری ۱۰/۶۹)۔

امام بخاری کا دوسرا ترجمہ:

"باب المصافحۃ" کے بعد امام بخاری نے دوسرا ترجمہ قائم فرمایا "باب الأخذ بالیدین" ترجمہ کے انہی الفاظ کے راوی اکثر رواۃ ہیں البتہ صرف روایت ابی ذر عن الحموی والمستملی میں "بالیدین" کے بجائے "بالید" مفرداً ہے (فتح الباری ۱۱/۵۶، عمدۃ القاری ۲۲/۲۵۳)۔

دوسرے ترجمہ سے امام بخاری کا مقصد:

حضرات محدثین فرماتے ہیں اس دوسرے ترجمہ سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھ سے ہے، نیز ان حضرات پر رد کرنا مقصود ہے، جو صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کے قائل ہیں:

”وأما الغرض من الترجمة الثانية هو بيان كيفية المصافحة أنها باليدين و على هذا فالغرض من الترجمة الثانية الرد على من قال المصافحة بيد واحدة“ (حاشیہ لامع الدراری شرح بخاری ۱۶۸)۔

امام بخاری کا عبداللہ ابن مبارک کا اثر نقل کرنے کا مقصد:

اس دوسرے ترجمہ کے تحت امام بخاریؒ نے تعلیقات حضرت عبد اللہ بن مبارک وحماد بن زید کا اثر نقل فرمایا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں **”وصافح حماد بن زيد ابن المبارك بيديه“**۔ حضرت حماد بن زید نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا، عبداللہ بن مبارک بڑے ائمہ میں سے ایک ہیں اس کے ساتھ کبار محدثین وفقہاء میں ان کا شمار ہے۔ اس اثر کو غنجار نے تاریخ بخاری میں موصولاً نقل کیا ہے، اسی طرح امام بخاری نے بھی اپنی کتاب ”التاریخ“ میں اس اثر کو نقل فرمایا ہے، اس میں اس کی بھی تصریح ہے کہ عبداللہ بن مبارک کی ملاقات حماد بن زید سے مکہ مکرمہ میں ہوئی (فتح الباری ۱۱/۶۵، عمدۃ القاری ۲۲/۳۵۲، لامع الدراری ۱۰/۶۸)۔

امام بخاری کی تخریج حدیث سے دو ہاتھ سے مصافحہ ثابت ہوتا ہے:

اس کے بعد امام بخاری نے ترجمۃ الباب کی مناسبت سے اثر عبداللہ بن مبارک کی متابعت میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث تشہد کی تخریج کی ہے اس طویل حدیث کا یہ جملہ ''و کفی بین کفیہ'' میرا ہاتھ اللہ کے رسول ﷺ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا محل استشہاد ہے اور اس جملہ سے امام بخاری مصافحہ بالیدین یعنی دونوں ہاتھ سے مصافحہ ثابت کرنا چاہتے ہیں، اسی وجہ سے ''باب الاخذ بالیدین'' کے تحت اس حدیث کی تخریج کی ہے ورنہ اس سے قبل کتاب الصلوۃ میں امام بخاری تین مقامات پر مختلف تراجم کے تحت اس روایت کو نقل فرما چکے ہیں، ہر باشعور ذی علم اس کو سمجھتا ہے کہ مصافحہ کے عنوان کے تحت پھر اس روایت کو نقل کرنا صرف اس بات کی تائید میں ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھ سے ہے چنانچہ علامہ عینی شارح بخاری حدیث عبداللہ بن مسعودؓ کی تخریج کے بعد لکھتے ہیں: ''مطابقة للترجمة في قوله و كفي بين كفيه وهو الأخذ باليدين'' (عینی ۲۲/۳۵۲)۔

خلاصۂ کلام:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور اثر عبداللہ بن مبارک کے بعد مزید روایات کی کوئی ضرورت نہیں چونکہ ابطال سلب کلی کے لئے اثبات جزئی کافی ہے، منکرین

حدیث تو یہ کہتے ہیں کہ دو ہاتھ سے مصافحہ خلاف سنت بلکہ بدعت غیر ثابت بالسنہ ہے، ان کی انصاف بیں نظر کے لئے دو روایتیں کافی ہیں اس کے بعد حق گوئی کا تقاضا یہ ہے کہ منکرین حدیث اپنے قول سے رجوع کر لیں لیکن وہ تو متبع نفس ہیں متبع حدیث ہوتے تو فوراً اس حدیث پر بھی عمل شروع کر دیتے لیکن یہ جو کچھ لکھا گیا ہے احیاء سنت و احقاق حق کے ساتھ اس لئے تا کہ صحیح راہ و صحیح سمت چلنے والے بھولے بھالے مسلمانوں کو منکرین حدیث دھوکہ دے کر صراط مستقیم سے نہ ہٹا سکیں، اور سنت پر عمل کرنے والے بصیرت کے ساتھ سنت پر عمل پیرا رہیں، "وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَشَاءُ إِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ، وَیَجْتَبِیْ إِلَیْهِ مَنْ یَشَاءُ وَیَھْدِیْ إِلَیْهِ مَنْ یُنِیْبُ"۔

ان مذکورہ بالا دونوں روایتوں کے علاوہ دو ہاتھ سے مصافحہ کی مرفوع روایت امام بخاری کی "الادب المفرد" میں بھی ہے "ثم للتصافح بالیدین حدیث مرفوع أیضاً کما فی الأدب المفرد" (فیض الباری ۴/ ۴۱۱)۔

دو ہاتھ سے مصافحہ کی سنیت تیسری دلیل:

(۳) "عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ رَزِیْنٍ قَالَ مَرَرْنَا بِالرَّبَذَةِ فَقِیْلَ لَنَا ھٰھُنَا سَلَمَةَ بْنِ الْأَکْوَعِ فَأَتَیْتُهُ فَسَلَّمْنَا عَلَیْهِ فَأَخْرَجَ یَدَیْهِ فَقَالَ بَایَعْتُ بِھَاتَیْنِ نَبِیَّ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُمْنَا إِلَیْهِ فَقَبَّلْنَاھَا" (الادب المفرد للامام البخاری، اوجز ۶/ ۱۹۳)۔

عبدالرحمٰن بن رزین سے مروی ہے کہ ہمارا گذر مقام ربذہ سے ہوا ہمیں یہ

بتلایا گیا کہ ربذہ میں صحابی رسول ﷺ حضرت سلمہ بن الاکوع رہتے ہیں ہم زیارت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے قریب پہنچ کر ہم نے ان کو سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور مصافحہ کے لئے اپنے دونوں ہاتھ نکالے "فاخرج یدیہ" مصافحہ سے فارغ ہوکر بیٹھ گئے دوران گفتگو حضرت سلمہ نے بتلایا ان ہاتھوں سے میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی ہے یہ سن کر ہم کھڑے ہوئے اور استبرا کا آپ کے ہاتھوں کا بوسہ دیا، اس روایت میں بھی یدین کی صراحت ہے "فاخرج یدیہ".

امام بخاری نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کی کوئی روایت ذکر نہیں کی:

الحاصل امام بخاری نے بخاری شریف یا "الادب المفرد" یا التاریخ، میں دو ہاتھ سے مصافحہ والی روایتیں وآثار تو نقل فرمائے ہیں لیکن صرف ایک ہاتھ سے متعلق کوئی روایت یا اثر نقل نہیں فرمایا یہ اس بات کی طرف مشیر ہے کہ صحابہ وتابعین میں بھی رائج ومعروف طریقہ مصافحہ کا دونوں ہاتھ سے تھا، صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کا رواج نہیں تھا لیکن یہ لطیف بات بھی اہل حق وانصاف پسند ذی علم ہی سمجھ سکتے ہیں جن کو صرف آنکھ میں دھول جھونک کر اپنا مقصد پورا کرنا ہو ان کی سمجھ میں کہاں سے آئے گا،

"ثم ذکر البخاری باب الأخذ بالیدین علی روایة جمهور رواة البخاری وذکر فیه صافح حماد بن زید بن المبارک بیدیه اشارة إلی ذلک هو المعروف بین الصحابة والتابعین ولم یذکر للمصافحة

بالید الواحدة روایة ولا أثراً“ (اوجز المسالک شرح موطا امام مالک ۱۹۳/۶)۔

دو ہاتھ سے مصافحہ کی سنیت کی چوتھی دلیل:

(۴) دو ہاتھ سے مصافحہ کی چوتھی روایت امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں حضرت سلمہ بن الاکوع کا جو واقعہ نقل فرمایا ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل نے ”مسند“ میں بھی اس واقعہ کو نقل فرمایا ہے جس کا آخری حصہ یہ ہے ”فَأَخْرَجَ لَنَا كَفًّا ضَخْمَةً فَقُمْنَا إِلَيْهِ فَقَبَّلْنَا كَفَّيْهِ جَمِيْعًا“۔ اس روایت میں بھی ”کفیہ“ صیغہ تثنیہ اس پر دال ہے کہ حضرت سلمہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے مصافحہ دونوں ہاتھ سے کیا اگر صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے تو صرف ایک ہی ہاتھ بابرکت ہوتا، اور ایک ہی ہاتھ کو استبرا کا بوسہ دیتے لیکن حضرت سلمہ نے بھی دونوں ہاتھ نکالے اور بوسہ دونوں ہاتھ کو دیا گیا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

ممکن ہے بعض حضرات کو یہ شبہ ہو کہ دونوں ہاتھ کا بڑھانا بیعت کے وقت ہوا اور بیعت و مصافحہ میں فرق ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو طریقہ مصافحہ کا ہے وہی طریقہ بیعت کا بھی ہے، یعنی جس طرح مصافحہ دونوں ہاتھ سے کیا جاتا ہے اسی طرح بیعت بھی دونوں ہاتھ سے ہوتی ہے۔ ”لَا يُقَالُ إِنَّهَا فِي الْبَيْعَةِ لِأَنَّ الْمَعْرُوْفَ فِيْهَا

أَيُضًا الُمُصَافَحَةُ" (اوجزالمسالک)۔

چنانچہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جہاں بیعت نسواں کا تذکرہ ہے اس کے تحت یہ الفاظ مصرح ہیں، "قُلُنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَلَا تُصَافِحُنَا قَالَ إِنِّيُ لَاأُصَافِحُ النِّسَاءَ (أخرجه الترمذی والنسائی عن أميمة بنت رقيقة" (أوجز)، یعنی عورتوں نے بیعت کے وقت یہ کہا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ہم سے مصافحہ نہیں کریں گے، جس طرح آپ مردوں کو بیعت کرتے وقت ان سے مصافحہ کرتے ہیں، یعنی مردوں کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، اسی طرح روایت اسماءؓ میں اس کی تصریح ہے۔

"إِنِّيُ لَا أُصَافِحُكُنَّ وَلٰكِنُ أَخُذَ عَلَيُكُنَّ مَا أَخَذَ اللّٰهُ" میں بیعت کے وقت تم (عورتوں) سے مصافحہ نہیں کروں گا، ہاں البتہ وہ عہد لوں گا جو اللہ نے لیا ہے، ان روایات سے یہ بات بے غبار ہوگئی کہ بیعت کے وقت دست پر دست کا جو رائج طریقہ ہے اس پر مصافحہ کا اطلاق درست ہے، لہٰذا بیعت کے وقت دو ہاتھ جہاں ثابت ہے وہاں یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اس سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ ثابت ہوتا ہے۔

دو ہاتھ سے مصافحہ کی سنیت کی پانچویں دلیل:

(۵) دونوں ہاتھ سے مصافحہ کے ثبوت کی پانچویں حدیث "عَنِ الُوَزَّاعِ بُنِ عَامِرٍ قَالَ قَدِمُنَا فَقِيُلَ ذَاکَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَأَخَذُنَا بِيَدَيُهِ وَرِجُلَيُهِ

نُقَبِّلُهَا" (أخرجه الامام احمد بن حنبل فی مسنده، أوجز المسالک)۔

حضرت وزاع بن عامر راوی ہیں کہ مدینہ طیبہ ہماری حاضری ہوئی تو ہمیں یہ بتلایا گیا کہ آپ ہی اللہ کے رسول ﷺ ہیں ہم نے آپ کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا دونوں ہاتھ کے بوسہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مصافحہ بھی دونوں ہاتھ سے آپ نے کیا اس لئے کہ مصافحہ کے بعد ہی فوراً یا مصافحہ کے ساتھ ہاتھ کو بوسہ دیا جاتا ہے یقیناً آنے والے حضرات نے پہلے سلام کیا ہوگا پھر مصافحہ اور اسی کے ساتھ ہاتھوں کو بوسہ دیا اور یہ ایسی بدیہی بات ہے کہ ہر باشعور اس کو سمجھ سکتا ہے۔

دو ہاتھ سے مصافحہ کی سنیت کی چھٹی دلیل:

(٦) دونوں ہاتھ سے مصافحہ کی چھٹی دلیل حدیث انسؓ ہے جس کی تخریج نور الدین الہیثمی نے مجمع الزوائد میں کی ہے نیز امام احمد بن حنبل، امام بزار، ابویعلی نے بھی اس کی تخریج کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمِ اِلْتَقَيَا أَخَذَ أَحَدُهُمَا بِيَدِ صَاحِبِهِ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يَحْضُرَ دُعَائَهُمَا وَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ أَيَّدِيْهِمَا حَتّٰى يُغْفَرَ لَهُمَا" (اوجز)۔

اس روایت کا یہ جملہ "ایدیہما" جو ید کی جمع ہے جس کی نسبت "ہما" ضمیر کی طرف کی گئی ہے جس سے مراد مصافحہ کرنے والے دو فرد ہیں اس بات پر صراحۃً دال

ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھ سے ہونا چاہئے اگر مصافحہ کے لئے ہر ایک کا صرف ایک ہاتھ مراد لیا جائے تو پھر ''ایدی'' جمع کے صیغہ کی اضافت جو ''ہما'' ضمیر تثنیہ کی طرف ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر ہر ایک کے دونوں ہاتھ مراد نہ لیے جائیں تو پھر صیغۂ جمع اور اس کی اضافت بے سود ہے پھر تو یہ ''یدہما'' ہونا چاہئے تب جا کر منکرین حدیث کی بات بن سکتی ہے، نیز اس سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ ''بید صاحبہ'' میں ''ید'' سے مراد جنس ہے وحدت نہیں اور اس کی دلیل ''ایدی'' کا ترتب ہے ''ید'' پر اور یہ ترتب اسی وقت درست ہوگا جب ''ید'' سے مراد ''بید صاحبہ'' میں جنس لیا جائے جس کا اطلاق قلیل وکثیر دونوں پر ہوتا ہے، لیکن ''اُیدیہما'' اس کی دلیل ہے کہ ''ید'' سے مراد کثیر ہے قلیل نہیں۔

دو ہاتھ سے مصافحہ کی سنیت کی ساتویں دلیل:

(۷) ساتویں حدیث حضرت ابوامامہؓ کی ہے جس کی تخریج امام طبرانی نے کی ہے الفاظ حدیث یہ ہیں

''إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا تَصَافَحَ الْمُسْلِمَانِ لَمْ تُفَرِّقْ أَكُفُّهُمَا حَتّٰى يُغْفَرَ لَهُمَا''۔

اس حدیث پاک کا یہ جملہ ''اُکفہما'' اس بات کی دلیل ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھ سے ہونا چاہئے، اس لئے کہ ''اکف'' کف کی جمع ہے اور جمع کی اضافت ضمیر

تثنیہ ’’ہما‘‘ کی طرف کی گئی، اور اس پر گفتگو بھی حدیث (٦) کے تحت آ چکی ہے۔

آٹھویں دلیل:

(٨) آٹھویں حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہے جس کو صاحب کنز العمال نے نقل فرمایا ہے:

’’عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَنْ صَافَحَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَيْسَ فِيْ صَدْرِ أَحَدِهِمَا عَلٰى صَاحِبِهٖ أَحِنَّةً لَمْ يَتَفَرَّقْ أَيْدِيْهِمَا حَتّٰى يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمَا‘‘ (الحدیث)، اس حدیث میں ’’ایدی‘‘ کا لفظ ہے جو ’’ید‘‘ کی جمع ہے۔

نویں دلیل:

(٩) نویں حدیث بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہے اور اس کو بھی صاحب کنز العمال نے نقل کیا ہے جو بطریق ابن النجار ہے اور اس میں بھی ’’ایدی‘‘ جمع کا صیغہ ہے۔

دسویں دلیل:

(١٠) دسویں حدیث حضرت براء بن عازبؓ کی ہے اور یہ بھی کنز العمال میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

’’عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ أَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ مَا مِنْ مُؤْمِنَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَأْخُذُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِيَدِ أَخِيْهِ لَا يَأْخُذُ إِلَّا لِمَوَدَّةٍ فِي اللّٰهِ

فَتَفْتَرِقُ أَيْدِيهِمَا حَتّٰى يُغْفَرَ لَهُمَا''اس روایت میں بھی ''ایدی'' جمع کا صیغہ ہے۔

دو ہاتھ سے مصافحہ کے سلسلہ میں صرف دس روایتوں پر اکتفاء کرتا ہوں چونکہ ماننے والے کے لئے ایک حدیث بھی کافی ہے اور جو حدیث کے انکار کے درپے ہوا سکے لئے پورا دفتر بیکار ہے۔

خلاصۂ کلام:

مذکورہ بالا روایات سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھ سے کرنا چاہئے اور یہی مسنون طریقہ ہے اور صحابہ وتابعین واسلاف کا یہی عمل رہا ہے اور یہی طریقہ متوارث ہے وہیں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جہاں مصافحہ سے متعلق روایات میں ''ید'' کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ید واحد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد جنس ہے اور اس کی دلیل احادیث کثیرہ میں ''ید'' واحد کے ساتھ ''ایدی'' صیغۂ جمع کا استعمال ہے، البتہ کسی روایت میں صراحۃ بالید الواحد یا بید واحدۃ کے الفاظ نہیں ہیں جس کے معنی ایک ہاتھ کے ہیں ''من ادعی ذلک فعلیه البیان''.

ایک شبہ اور اس کا جواب:

ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو کہ بعض روایتوں میں صرف یمین کا لفظ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ صرف داہنے ہاتھ سے ہونا چاہئے اس کا جواب یہ ہے کہ

جن روایتوں میں صرف یمین کا لفظ ہے وہ صرف یمین کی شرافت کے اظہار کے لئے ہے، نیز یہ کہ مصافحہ میں بھی اصل داہنا ہاتھ ہی ہے، بایاں ہاتھ تو متابعت میں ہوتا ہے، الصاق تو اصالۃً داہنے ہاتھ ہی سے ہوتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یسار بایاں ہاتھ خارج ہے، چنانچہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مسلم شریف کی روایت ہے "یَمِینُ اللّٰهِ مَلآیَ" اللہ پاک کا ہاتھ بھرا ہوا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف داہنا ہاتھ بھرا ہے بایاں ہاتھ خالی ہے، بلکہ "یَدَاهُ مَبسُوطَتَانِ یُنفِقُ کَیفَ یَشَاءُ" کی صراحت ہے یعنی اللہ پاک کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اس طرح کی بہت سی روایتوں سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یمین کی قید یسار کو نکالنے کے لئے نہیں ہے۔

گفتگو کا تکملہ:

اصولی طور پر دو ہاتھ سے متعلق مثبت انداز سے روایتی گفتگو مکمل ہو چکی ہے نیز بعض شبہات کا ازالہ بھی ہو چکا ہے اب اس کے بعد منفی انداز کی گفتگو باقی رہ جاتی ہے مثلاً حافظ عبدالستین میمن صاحب جونا گڈھی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "حدیث خیر وشر" اور اپنے خیال خام کے مطابق ایک ہاتھ سے مصافحہ کی چوبیس روایتیں نمبر وار شمار کروائی ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک روایت سے بھی ایک ہاتھ سے مصافحہ ثابت نہیں مصافحہ کے علاوہ مختلف ابواب کی روایتوں سے زور وز بردستی سے انہوں نے مکمل کام لیا ہے ان کو یہ خیال غالباً نہیں رہا کہ اس چوبیس کے عدد سے میں

جاہلوں کو تو مرعوب کر سکتا ہوں لیکن جب میری کتاب کو علماء دیکھیں گے تو میرے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے غالبا یہی سوچیں گے کہ کوئی جاہل یا معاند شخص معلوم ہوتا ہے میں ان کی کتاب یا ان کی ذات یا ان کے انداز استدلال کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ اس کا جواب دیا جائے یا اس کے بارے میں کچھ لکھا جائے۔ جواب جاہلاں باشد خموشی پر عمل کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرتا ہوں اور ان سے یہی کہتا ہوں کہ جب بات کہنی نہیں آتی تو کیوں خواہ مخواہ اہل علم کے موضوع کو چھیڑ کر گنہگار بنتے ہیں اللہ پاک صحیح سمجھ دے اور سنت پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

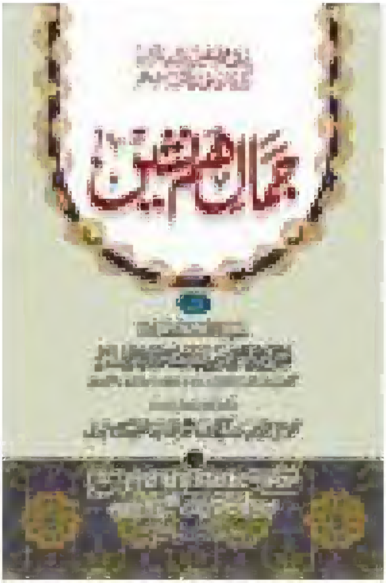

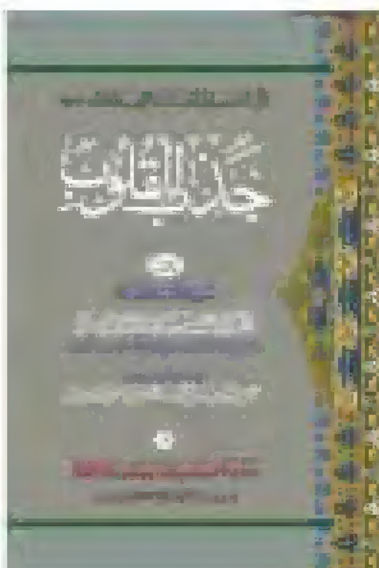

هو الحبيب الذی ترجی شفاعته

لكل هول من الأهوال مقتحم

التوسل بسید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم

(اللہ کے رسول ؐ کو وسیلہ بنانے کا حکم)

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب دُعاء میں توسل کے سلسلہ میں ہے، حضرت نبی پاک ﷺ یا اولیاء واسلاف سے توسل جائز ہے یا نہیں؟ بالخصوص حضور پاک ﷺ سے توسل دنیا سے روپوش ہوجانے کے بعد درست ہے یا نہیں؟ ایک زمانہ سے اسلاف دعاء بالتوسل کے قائل رہے ہیں اور دعاء میں توسل کو مستحسن قرار دیا گیا ہے، سلف اور خلف میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا، سب سے پہلے ابن تیمیہ نے دعاء بالتوسل کا انکار کر کے امت میں اختلاف کی ایک نئی راہ پیدا کردی چنانچہ علامہ شامی بحوالہ علامہ سبکی لکھتے ہیں:

”وقال السبکی یحسن التوسل بالنبی إلی ربه ولم ینکر أحد من السلف ولا الخلف إلا ابن تیمیة فابتدع ما لم یقل عالم قبله“۔

چنانچہ اس کے بعد بالتدریج اس مسئلے نے زور پکڑا تا آنکہ آج امت کا ایک اچھا خاصا طبقہ جو اپنے کو متبع رسول کہتا ہے اور آپ کے ارشادات کا سب سے زیادہ حقدار ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ بھی اس بات کا منکر ہے کہ حضور پاک ﷺ سے توسل آپ کے وصال کے بعد جائز نہیں ہے، منکرین کے نزدیک سب سے اہم اور بنیادی و مستحکم روایت جس سے وہ استدلال کرتے ہیں حضرت عمرؓ کا استسقاء کے لئے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنانا ہے الفاظ یہ ہیں:

”اَللّٰھُمَّ إِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا ﷺ فَتَسْقِیْنَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا“ (مشکوۃ شریف و بخاری شریف ۱/۱۳۷)۔

اگر توسل بالاموات بالخصوص حضور پاک ﷺ سے توسل وصال کے بعد جائز نا ہوتا تو حضرت عمر فاروقؓ حضرت رسول پاک ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کو وسیلہ نہ بناتے۔

زیر نظر کتاب میں پہلے مسئلہ کی تنقیح کی گئی ہے اس کے بعد حضور پاک ﷺ سے وصال کے بعد توسل کے جواز بلکہ استحسان پر آیات و روایات سے دلائل پیش کیے گئے ہیں پھر حضرات اسلاف کا تعامل اور اسلاف و اکابرین کی تحریرات اس سلسلہ میں نقل کی جائیں گی اخیر میں منکرین توسل کے شبہات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

دعاء ہے اللہ پاک اس کاوش کو قبول فرمائے اور ذریعۂ نجات بنائے۔

فقط

مفتی حبیب اللہ قاسمی

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور

سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

۱۵/۵/۱۴۱۳ھ

تنقیح مسئلہ

دعاء میں توسل کا حاصل یہ ہے کہ دعاء کرنے والا اللہ پاک سے اپنی حاجتیں بیان کرنے کے بعد ان الفاظ کے ساتھ اپنی دعاء کو ختم کرے کہ اے اللہ میری دعاء حضور پاک ﷺ کے صدقہ اور طفیل میں قبول فرما، یا یوں کہے کہ اے اللہ میری دعاء حضرات صحابہ کے صدقہ اور طفیل میں قبول فرما، یا یوں کہے کہ اے اللہ اپنے صالح اور مقبول بندوں کے طفیل میں قبول فرما، لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ توسل میں دعا بزرگوں سے نہیں کی جاتی بلکہ براہ راست اللہ تعالی سے کی جاتی ہے لہذا جس طرح زندوں سے توسل جائز ہے اسی طرح اموات سے بھی توسل درست ہے بالخصوص حضور پاک ﷺ سے وصال کے بعد بھی توسل میں کوئی کلام نہیں کیونکہ اس کی حقیقت دراصل یہ دعاء کرنا ہے یا اللہ میرا تو کوئی عمل ایسا نہیں جس کو میں آپ کی بارگاہ عالی میں پیش کر کے اس کے وسیلہ سے دعاء کروں البتہ اللہ کے رسول ﷺ جو آپ کے محبوب ہیں یا فلاں بندہ جو آپ کی بارگاہ میں مقبول ہے مجھے ان سے محبت اور عقیدت ہے پس اے اللہ آپ اس محبت اور عقیدت کی لاج رکھتے ہوئے میری دعاء قبول فرما لیجئے اور اس انداز سے دعاء میں یقیناً عبدیت اور تواضع زیادہ ہے شیخ سعدی کے اس شعر کا یہی

مطلب ہے ؂

خدایا بحق بنی فاطمہ　　　　که بر قول ایماں کنی خاتمہ

ایک شبہ کا ازالہ:

لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ توسل کے بعد دعاء کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو سنتے نہیں یا وسیلہ سے جو دعاء کی جائے اس دعاء کو قبول کرنا اللہ کے لئے ضروری ہے بلکہ صرف اتنی بات ہے کہ وسیلہ سے جو دعاء کی جاتی ہے اس کی قبولیت کی زیادہ امید ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ دعاء میں توسل جائز ہی نہیں خواہ حضور پاک ﷺ ہی سے توسل کیوں نہ ہو جیسا کہ بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ البتہ وسیلہ کا مطلب یہ سمجھنا کہ ہماری رسائی اللہ تک براہ راست نہیں ہو سکتی اس لئے ہمیں جو کچھ کہنا ہو پہلے ہم اللہ کے مقبول بندوں کے سامنے پیش کریں یا حضور پاک ﷺ سے کہیں اور جو کچھ مانگنا ہو ان ہی سے مانگیں چنانچہ بہت سے مزارات پر ان الفاظ کے ساتھ لوگ دعائیں کرتے ہیں۔ اے غوث اے قطب اے داتا۔ میری فلاں بگڑی بنا دے مجھ کو اولاد دیدے۔ یہ بالکل غلط اور سو فیصد جہالت اور شرعی اعتبار سے ممنوع و مذموم ہے۔

توسل کی ایک صورت:

توسّل کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اپنی حاجات اولیاء اللہ سے جو کہ دنیا سے

جا چکے ہیں براہ راست نہ مانگی جائیں البتہ ان سے یہ کہا جائے اے غوث اے قطب آپ اللہ کی بارگاہ میں ہماری حاجت روائی کی سفارش کردیں دعاء کردیں۔ مُردوں سے اس طرح کا توسل بھی ممنوع اور غلط ہے البتہ کسی زندہ سے اس طرح کی درخواست میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مسنون و مستحسن ہے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ عمرہ کے لئے جارہے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "**یا أخی لا تنسنا فی دعائک**" (مسند احمد ۱/۳۹)، یعنی اے میرے بھائی اپنی دعاؤں میں ہمیں نہ بھولنا، البتہ اس انداز کا توسل حضور پاک ﷺ سے ہو تو وصال کے بعد بھی اس میں کوئی کلام نہیں بلکہ اہل علم کے نزدیک یہ مستحسن ہے چونکہ صحیح عقیدہ کے مطابق حضور پاک ﷺ کی حیات اور آپ کا سماع ثابت ہے۔ اسی وجہ سے حضور پاک ﷺ کی تعظیم وتوقیر حیات کی حالت میں جس طرح قابل لحاظ تھی وصال کے بعد بھی اسی طرح تعظیم وتوقیر لازم وضروری ہے۔

قاضی عیاض کا ارشاد:

چنانچہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "**اعلم أن حرمة النبی ﷺ بعد موته وتوقیره وتعظیمه لازم کما کان حال حیاته**" (۱/۳۹)، دوسری جگہ قاضی عیاض: "**وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِیْنَ**" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "**فکانت حیاته رحمة ومماته رحمة**"، یعنی آپ کی حیات طیبہ جس طرح

پورے عالم کے لئے رحمت تھی اسی طرح وصال مبارک بھی پورے عالم کے لئے رحمت ہے جیسا کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حَیَاتِی خَیرٌ لَکُمْ وَمَوْتِی خَیرٌ لَّکُمْ'' یعنی جس طرح میری زندگی تمہارے لئے خیر ہے اسی طرح میری موت بھی تمہارے لئے خیر ہے (ص ۱۵)۔ اس سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ بر بناء رحمت پوری زندگی امت کے لئے وسیلہ تھے اسی طرح وصال کے بعد بھی بر بناء رحمت پوری امت کے لئے وسیلہ ہیں۔ غرضیکہ اللہ کے رسول ﷺ بلا تفریق موت وحیات پورے عالم کے لئے ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اثبات توسل کے دلائل

دلیل نمبر(۱):

"یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا إِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" ۔اے ایمان والواللہ کا تقوی اختیار کرواور اللہ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرواوراس کے راستے میں جہاد کروتا کہ تم فلاح یاب ہوجاؤ۔اس آیت میں اگر وسیلہ سے مراد خاص شخص لیا جائے تواس آیت سے وسیلہ کا استحباب عبارۃ النص سے ثابت ہوتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب "رسالہ امامت" میں وسیلہ سے خاص شخص ہی مراد لیا ہے۔فرماتے ہیں: "مراد از وسیلہ شخصے است کہ اقرب الی اللہ باشد در منزلت" یعنی وسیلہ سے مراد ایسا شخص ہے جو مرتبہ میں اللہ سے بہت قریب ہو، القول الجمیل کی شرح میں بحوالۂ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ مولانا خرم علی صاحب نے وسیلہ کی تفسیر خاص شخص ہی سے کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:"وَابْتَغُوْا إِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ" سے مراد عمل صالح نہیں کیونکہ اتقوا اللہ میں عمل صالح آگیا لہذا وسیلہ سے مراد خاص شخص ہی لیا جائے گا اور ظاہر سی بات ہے مرتبہ میں اللہ کے نزدیک سرکارِ دوعالم ﷺ سے

بڑھ کر کون ہوسکتا ہے۔

علامہ بوصیری کا ارشاد

اسی وجہ سے علامہ بوصیری فرماتے ہیں ۔

فمبلغ العلم فیہ انہ بشرٌ
وانہ خیر خلق اللہ کُلھمِ

یعنی اللہ کے رسول ﷺ کے سلسلہ میں منتہائے علم یہ ہے کہ آپ بشر ہیں لیکن اسی کے ساتھ آپ خیر البشر بھی ہیں یہی وہ بات ہے جو حدیث ابو ہریرہ میں بھی مذکور ہے آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ مجھے جنت کے حلّوں میں سے ایک حُلّہ پہنایا جائے گا اور میں عرش کے داہنی طرف کھڑا ہوں گا، ”وَلَیْسَ أَحَدٌ مِنَ الْخَلائِقِ یَقُوْمُ ذٰلِکَ الْمَقَامَ غَیْرِیْ“ ۔اس مقام پر میرے علاوہ کھڑا ہونے کے لائق پوری مخلوق میں کوئی نہیں ہوگا۔اس سے واضح انداز میں یہ بات سامنے آ گئی کہ آپ خیر البشر بھی ہیں اور افضل المخلوقات بھی، اکمل الانبیاء بھی ہیں اور اقرب الی اللہ بھی پھر آپ سے توسل کے جواز بلکہ استحباب میں کوئی کیا کلام کرسکتا ہے۔

دلیل نمبر (۲):

”وَلَوْ أَنَّھُمْ إِذْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَھُمْ جَاءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا"۔

اور اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا فوراً آپ کے پاس آتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا اور مہربان پاتے۔

اس آیت کریمہ سے بھی توسل ثابت ہوتا ہے۔

تفسیر مدارک کی وضاحت

چنانچہ تفسیر مدارک میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب مدارک لکھتے ہیں:

"ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم بالتحاكم إلى الطاغوت جاء وك تائبين من النفاق معتذرين عما ارتكبوا من الشقاق فاستغفروا الله من النفاق والشقاق واستغفر لهم الرسول بالشفاعة لوجدوا الله تواباً لعلموه تواباً أى لتاب عليهم ولم يقل واستغفرت لهم عدل عنه إلى طريق الالتفات تفخيماً لشأن رسول الله ﷺ وتعظيماً لاستغفاره وتنبيهاً على أن شفاعة من اسمه الرسول من الله بمكان رحيماً بهم. قيل جاء أعرابى بعد دفنه عليه السلام فرمى بنفسه على قبره وحثى من ترابه على رأسه وقال يا رسول الله قلت فسمعنا وكان فيما أنزل عليك ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم الآية وقد ظلمت نفسى وجئتك استغفر الله

ذنبی واستغفر لی ربی فنودی من قبرہ قد غفرلک"۔

یعنی اگر وہ لوگ جنہوں نے طاغوت کو حَکَم بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا تھا آپ کے پاس نفاق سے تائب ہوکر اور جس شقاق کا ارتکاب کیا تھا اس سے معذرت خواہ ہوکر آتے پھر اللہ سے نفاق وشقاق کی مغفرت چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت کی سفارش کرتے تو وہ لوگ اللہ کو توّاب پاتے یعنی اللہ ان کی توبہ قبول کرلیتا استغفرت لہم کے بجائے واستغفرلہم الرسول کی طرف عدول کرنا رسول کی شان کی تفخیم اور رسول کے استغفار کی تعظیم کے ساتھ اس بات پر تنبیہ ہے کہ رسول سے سفارش کرنے کے بعد اللہ کی رحمت اس کی طرف ضرور متوجہ ہوتی ہے۔

ایک اعرابی کا واقعہ

اللہ کے رسول ﷺ کے وصال کے بعد کا واقعہ ہے کہ ایک اعرابی روضۂ اقدس پر حاضر ہوا اور والہانہ انداز میں بے تاب ہوکر اپنے کو قبر مبارک پر ڈالدیا اور فرطِ محبت میں قبر مبارک کی خاک اپنے سر پر ڈالنے لگا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے سنا آپ پر منزّل آیتوں میں سے ایک آیت یہ بھی ہے۔"وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ" الآیہ۔اب میں حاضر ہوں اس حال میں کہ میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں میرے رب سے میرے لئے آپ بھی مغفرت کی درخواست کردیں چنانچہ اس کے

بعد قبر مبارک سے آواز آئی کہ تیرے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

بعض حضرات کو اس آیت سے استدلال میں کلام ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ حکم موت کے بعد کے لئے نہیں بلکہ صرف حیات طیبہ کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن ان حضرات کا یہ قول بہ چند وجوہ غلط ہے۔

ا-صاحب مدارک نے جس سیاق وسباق کے تحت اعرابی کا قصہ نقل کیا ہے اس سے واضح انداز میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ یہ خاص نہیں بلکہ وفات کے بعد بھی اسی طرح باقی ہے جس طرح حیات میں، صاحب مدارک کے اسلوب سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

علامہ سبکی کا جواب:

۲۔علامہ تقی الدین سبکی نے اس آیت کے سلسلے میں شفاء الاسقام میں یہ لکھا ہے:"**والآية وإن وردت في أقوام معينين في حالة الحياة فتعم بعموم العلة كل من وجد فيه ذلك الوصف في الحياة وبعد المماة ولذلك فهم العلماء من الآية العموم في الحالتين**"۔

یعنی اگرچہ مورد کے اعتبار سے یہ آیت خاص ہے حیات طیبہ میں معین قوم

کے ساتھ مگر عموم علت کے تحت حیات وممات دونوں کو عام ہے اسی وجہ سے علماء نے بھی قاعدہ کے مطابق دونوں حالتوں کا عموم سمجھا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی قدرے الفاظ کے تفاوت کے ساتھ اعرابی کے قصہ کو اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے جس میں دو اشعار بھی منقول ہیں کہ اعرابی نے یہ اشعار بھی پڑھے ؎

یا من دفنت بالقاع اعظمه -فطاب من طیبهن القاع والاكم

نفسی الفداء لقبرانت ساكنه -فيه العفاف وفيه الجود والكرم

صاحب جذب القلوب کا ارشاد:

۳۔ صاحب جذب القلوب اس آیت کریمہ کے سلسلے میں بحوالۂ علامہ تاج الدین سبکی تحریر فرماتے ہیں ''ایں آیت کریمہ دلالت دارد بر حث وترغیب حضور درگاہ رسالت پناہ وسوال مغفرت درآں جناب اجابتِ مآب وطلب استغفار از وے ﷺ وایں رتبۂ عظیمہ است کہ ابداً انقطاع پذیر نیست از جہت استواء حالتِ موت وحیات نسبت بہ سرور کائنات ﷺ وثبوت استغفار آنحضرت مرامت را بعد از موت نزد عرض ملائکہ اعمال ایشاں مر وے ﷺ''۔

ان ساری عبارتوں سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ دعاء مغفرت اور سفارش آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ رتبۂ عظیمہ جس طرح آپ کو حیات مبارکہ میں ملا تھا اسی طرح وصال کے بعد بھی باقی ہے۔

علامہ صدیق حسن خاں کی وضاحت:

ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو کہ اس آیت سے توسل تو ثابت نہیں ہوا، تو اس کے جواب میں نواب صدیق حسن خاں صاحب کی وہ عبارت جو ان کی تفسیر ''فتح البیان'' میں موجود ہے انھیں کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں، ''**ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاء وک**'' کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں: ''**جاءوک متوسلين إليک تائبين من النفاق**'' اس عبارت سے توسل اور وسیلہ کی تائید ہوتی ہے۔

دلیل نمبر (۳):

اللہ کے رسول ﷺ کے وصال کے بعد توسل کے ثبوت کی تیسری دلیل صحابی رسول حضرت خالد بن ولیدؓ کا عمل ہے قاضی عیاضؒ نے اپنی مشہور کتاب شفاء میں بحوالہ امام بیہقی یہ حدیث نقل کی ہے جو سند کے اعتبار سے قابل اعتبار ہے امام بیہقی علیہ الرحمہ نے بھی اس کی سند پر جرح نہیں کی ہے الفاظ یہ ہیں: ''**إِنَّهُ كَانَتْ شَعْرَةٌ مِنْ شَعْرِهِ ﷺ فِيْ قَلَنْسوَةِ خَالِدِ بْنِ وَلِيْدٍ فَلَمْ يَشْهَدْ لَهَا قِتَالاً إِلَّا رُزِقَ النَّصْرُ**''۔ یعنی حضرت خالد بن ولیدؓ کا معمول یہ تھا کہ حضور پاک ﷺ کے موئے مبارک کو اپنی ٹوپی میں رکھ کر دشمنوں کے مقابلے کے لئے نکلتے تھے اور مشکل سے مشکل جنگ میں فتح یاب ہو کر لوٹتے تھے اس طرح اللہ کے رسول ﷺ سے توسل ایک جلیل القدر صحابی کا وصال کے بعد بھی ثابت ہے جس میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔

صاحب مدارج النبوۃ کا ارشاد:

صاحب مدارج النبوۃ نے بھی حضرت خالدؓ کے اس معمول کا تذکرہ جنگ یرموک کے تذکرے کے تحت کیا ہے جس میں حضرت خالدؓ کی ٹوپی سے ریش مبارک گم ہو گیا تھا، لکھتے ہیں: ''وآمدہ کہ خالد بن ولیدؓ گم کرد کلاہ خود را یوم یرموک پس گفت جوئید و تفحص کنید کلاہ را پس جستند و نیافتند''۔

دلیل نمبر (۴):

علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں بحوالہٗ ابن عساکر نقل کیا ہے کہ ایک بار لوگ سخت قسم کے قحط میں مبتلا ہو گئے قریش نے ابوطالب سے درخواست کی قحط کی وجہ سے لوگ تباہ ہو رہے ہیں بارش کے لئے دعاء کیجئے راوی کا بیان ہے کہ ابوطالب دعا کے لئے نکلے اور آپ کے ہمراہ ایک خوبصورت بچہ تھا، جیسے بادل میں سے آفتاب نکلا ہو اور دوسرے بچے بھی ان کے اردگرد تھے ابوطالب نے اس بچے کی کمر کعبہ سے لگا دی اور بچے نے اپنی انگلی سے پانی مانگا اس وقت آسمان صاف تھا اس کے بعد ہی اچانک بادل پھرنے لگا اور اتنی بارش ہوئی کہ نالے بہہ پڑے اور جنگل سرسبز و شاداب ہو گئے اسوقت ابوطالب نے اس بچہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتمٰی عصمة للارامل

(مواہب لدنیہ ۱/۴۸)

وہ ایسا پاکیزہ خوبصورت ہے کہ اس کے چہرۂ مبارکہ یا ذات مبارکہ کے وسیلہ سے قحط کے وقت بارش طلب کی جاتی ہے وہ یتیموں کے واسطے پناہ بیوہ محتاج عورتوں کی عفت کا سبب ہے۔

آپؐ کی ذات بچپن سے وسیلہ تھی:

آپ کی ذات مقدسہ بچپن ہی سے لوگوں کے لئے وسیلہ رہی جس طرح آپ کی پوری زندگی وسیلہ رہی موت کے بعد بھی آپ وسیلہ ہیں بلکہ دنیا میں آنے کے پہلے بھی وسیلہ رہے چنانچہ علامہ قسطلانی نے بحوالہ محدثین حضرت کعب احبارؓ کی روایت نقل کی ہے ”وَکَانَ الْمُطَّلِبُ یَفُوْحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الْمِسْکِ الْاِذْخَرِ وَنُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَیَتَقَرَّبُوْنَ بِهٖ إِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی وَیَسْئَلُوْنَهٗ أَنْ یَسْقِیَهُمُ الْغَیْثُ فَکَانَ یَغِیْثُهُمْ وَیَسْقِیْهِمْ بِبَرْکَةِ نُوْرِ مُحَمَّدٍ ﷺ غَیْثًا عَظِیْمًا“۔ یعنی عبد المطلب سے مشک اذخر کی خوشبو آتی تھی اور ان کی پیشانی میں رسول اکرم ﷺ کا نور چمکتا تھا جب قریش قحط میں مبتلا ہوتے تو عبد المطلب کا ہاتھ پکڑ کر جبل ثبیر کی طرف لیجاتے اور ان سے بارش کے لئے دعا کی درخواست کرتے وہ اللہ سے بارش کی دعاء کرتے اللہ تعالی نور محمد ﷺ کی برکت سے ان پر عظیم بارش برساتا (مواہب لدنیہ ۱/۲۰)۔

ان روایات سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ ہر حال میں وسیلہ تھے۔

دلیل نمبر (۵):

چنانچہ تفسیر درمنثور میں حضرت عمرؓ کی حدیث ہے جس میں اس کی تصریح ہے کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام توبہ کے وقت اللہ کے حبیب ﷺ کا وسیلہ نہ اختیار کرتے تو ان کی توبہ قبول نہ ہوتی۔

علامہ طبری نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ نیز علامہ شہاب الدین قسطلانی شارح بخاری نے مواہب لدنیہ میں اس کو نقل کیا ہے۔ "**وصح أن رسول الله ﷺ قال لما اقترف آدم الخطيئة قال يا رب أسئلك بحق محمد لما غفرت لي**" (مواہب لدنیہ ۲/۵۱۵)۔ اس واقعہ کو علامہ قسطلانی نے حضرت عمرؓ کے علاوہ دیگر رواۃ کے حوالہ سے بھی نقل کیا ہے مواہب لدنیہ کی جلد اول صفحہ ۱۵ پر یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے، "**فَقَالَ يَا رَبِّ بِحُرْمَةِ هٰذَا الْوَلَدِ إِرْحَمْ هٰذَا الْوَالِدَ فَنُوْدِيَ يَا آدَمُ لَوْ تَشَفَّعْتَ إِلَيْنَا بِمُحَمَّدٍ فِيْ أَهْلِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ لَشَفَّعْنَاكَ**"، یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے اللہ اس بچے (محمد ﷺ) کے صدقہ وطفیل میں اس باپ (آدم علیہ السلام) پر رحم فرما، اس توسل پر ندا آئی اے آدم اگر محمد کے واسطے سے آسمان وزمین والوں کی معافی کی درخواست تو کرے گا تو ان سب کو میں معاف کردوں گا۔ سبحان اللہ کیا بات ہے ابا جان حضرت آدم تو اپنے بیٹے کو قابل توسل سمجھیں اور ان سے وسیلہ حاصل کریں اور آپ کا امتی

آپ کا کلمہ پڑھنے والا آپ کو قابل توسل نہ سمجھے افسوس صد افسوس ؎

بریں عقل ودانش بباید گریست

حضرت آدم جس وقت دعاء کرر ہے تھے حضرت رسول کریم ﷺ کا وجود بھی نہیں ہوا تھا معلوم ہوا کہ توسل بالنبی کے لئے نبی کا وجود ضروری نہیں یہی وہ مضمون ہے جس کو علامہ جامیؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ؎

اگر نام محمد را نیاور دے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

اگر محمد ﷺ کے نام مبارک سے حضرت آدم ونوح توسل نہ حاصل کرتے تو نہ حضرت آدم کی توبہ قبول ہوتی اور نہ ہی حضرت نوح طوفان سے نجات پاتے۔

حضرت صالح بن حسن کے اشعار

اور جیسا کہ صالح بن حسن شاعر نے کہا ہے ؎

أعددته يوم القيامة شافعا – مطاعاً إذا ما الغير حاد وحيدا
فيشفع في إنقاذ كل موحد – ويدخله جنات عدن مخلدا
وإن له أسماء سميته بها – ولكنني أحببت منها محمداً
فقال الهي امنن عليّ بتوبة – تكون على غسل الخطيئة مسعدا
بحرمة هذا الاسم والزلفة التي – خصصت بها دون الخليقة احمدا

اقلنی عثاری یا الھی فإن لی - عدواً لعیناً جار فی القصد واعتدی

فتاب علیہ ربہ رحماء من - جنایۃ ما أخطاہ لا متعمداً

(میں نے آپ کو قیامت کے دن کا تنہا سفارشی اور ساری مخلوق کا مطاع بنایا ہے جبکہ دوسرے لوگ کنارے ہٹ جائیں گے۔ لہٰذا آپ ہر موحد کو چھڑانے کی سفارش فرمائیں گے اور اسے ہمیشہ کے لئے جنت کی قیامگاہوں میں داخل فرمائیں گے۔ آپ کے بہت سے اسماء ہیں جن سے میں نے آپ کو موسوم کیا ہے لیکن ان میں اسم محمد مجھے پسند ہے۔ حضرت آدم نے عرض کیا میرے معبود مجھ پر اپنی ایسی توجہ دیکر احسان فرمایئے جو میری ساری خطاؤں کو دھو دے۔ اسی نام (محمد) کے وسیلہ سے اور اسی قربت کے وسیلہ سے جس کے ساتھ ساری مخلوق میں آپ نے حضرت احمدؐ کو خاص فرمایا ہے۔ اے میرے معبود! میری لغزشوں سے درگذر فرما کیونکہ میرا ایک ملعون بارگاہ دشمن ہے جو ظلم وزیادتی پر کمربستہ ہے یہ فریاد سن کر حضرت آدم کے رب نے رحمت کرتے ہوئے آپ کی توبہ قبول فرمالیا ان خطاؤں سے جو بلا عمد صادر ہوگئی تھیں)۔

امام حاکم نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے علامہ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں ہمارے اعتماد کے لئے امام حاکم کی تصحیح کافی ہے۔

دلیل نمبر (٦):

اثباتِ توسل کی چھٹی دلیل حدیث عثمان بن حنیف ہے جس کی تخریج بہت

سے محدثین نے کی ہے عموماً حضرات محدثین بلاتفریق حیات وممات مطلقاً "باب من کان له حاجة إلى الله أو إلى أحد من خلقه" کے تحت اس روایت کونقل کرتے ہیں اور بعض محدثین نے مطلقاً "باب فی صلوة الحاجة" کے تحت اس روایت کونقل کیا ہے ابن ماجہ نے بھی "باب صلوة الحاجة" کے تحت اس روایت کونقل کیا ہے روایت عثمان بن حنیف کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ضرورت کے تحت حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس بار بار آرہا تھا لیکن حضرت عثمانؓ اسکی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے اس شخص کی ملاقات اسی اثناء حضرت عثمان بن حنیف سے ہوگئی اس نے صورت حال سے ان کو باخبر کیا عثمان بن حنیف نے پورا واقعہ سن کر اس کو مشورہ دیا جاؤ وضو کر کے مسجد نبوی میں دو رکعت نماز ادا کرو اس کے بعد ان الفاظ کے ساتھ دعاء کرو "اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُکَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ إِنِّیْ أَتَوَجَّهُ بِکَ إِلٰی رَبِّکَ لِیَقْضِیَ حَاجَتِیْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ" اور اپنی حاجت کا تذکرہ کرو چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اس کے بعد وہ اس سے فارغ ہو کر حضرت عثمان بن عفانؓ کے دروازہ پر پہنچا فوراً ہی دربان آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر لے گیا حضرت عثمانؓ نے اس کو اپنی چٹائی (مسند) پر بٹھایا اور اس سے حاجت پوچھی اور فوراً اس کی حاجت براری کی اور فرمایا اور کوئی ضرورت ہو تو بتلاؤ اور اس سے پہلے کیوں نہیں بتلایا تھا۔

حضرت شاہ عبدالغنی کا ارشاد:

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی ثم المدنی نے بھی انجاح الحاجة

حاشیۂ ابن ماجہ میں بحوالۂ مولانا عابد سندیؒ اس روایت سے توسل بالنبی بعد الوفات ثابت کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ”وأما بعد مماته فقد روى الطبرانى فى الكبير عن عثمان بن حنيف الحديث“ اور حضرت عثمان بن حنیف کی پوری روایت نقل کی ہے۔ اگر توسل بعد الوفات کی اجازت نہ ہوتی تو حضرت عثمان بن حنیفؓ اس کی اجازت بلکہ مشورہ نہ دیتے اس روایت سے بھی صراحۃً توسل بعد الوفات کا ثبوت ملتا ہے۔

دلیل نمبر (۷):

اثبات توسل بعد الوفات کی ساتویں دلیل روایت عبد اللہ ابن عمر ہے حصن حصین میں ہے ”وَإِذَا خَدِرَتْ رِجْلُهُ فَلْيَذْكُرْ اَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْهِ“ یعنی جب کسی شخص کا پاؤں سو جائے تو فوراً ایسے شخص کو یاد کرے جو اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو (حصن حصین ۱۴۴)۔ اس کی شرح حرز ثمین میں صاحب کتاب لکھتے ہیں: ”لِيَحْصُلَ النَّشَاطُ لَدَيْهِ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ ﷺ“ یعنی محبوب کو یاد کرنے سے سرور نشاط حاصل ہوگا لہٰذا حضرت محمد ﷺ کا اسم مبارک زبان پر لاوے۔

قاضی عیاض کا ارشاد:

قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب شفاء میں اسی سے متعلق حضرت عبد اللہ بن عمرؓ

کی روایت نقل کی ہے جو مقصود بالذکر ہے،"رُوِیَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ خَدَرَتْ رِجْلُهُ فَقِیْلَ لَهٗ اُذْکُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَیْکَ یَزُوْلُ عَنْکَ فَصَاحَ یَا مُحَمَّدَاهُ فَانْتَشَرَتْ" (شفاء۲/۲۳) یعنی ایکبار حضرت عبداللہ بن عمر کا پاؤں سو گیا (جھُن جھُنی چڑھ گئی) آپ سے کسی نے کہا اپنے کسی محبوب ترین انسان کا نام لیجئے فوراً آرام ہو جائے گا فوراً زور سے "یا محمداہ" کہا فوراً آرام ہو گیا۔

ملا علی قاری کا ارشاد:

اس کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری شارح مشکوۃ فرماتے ہیں "فنادی باعلی صوته وکانّه رضی الله عنه قصد به اظهار محبته فی ضمن الاستغاثة"، یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بلند آواز سے "یا محمد" کہنا استغاثہ وفریاد کے ضمن میں اظہار محبت کرنا تھا۔ یہ توسل نہیں تو اور کیا ہے اور انداز تخاطب پر غور کریں، یہ روضۂ اقدس پر حاضری کی بات نہیں بلکہ غیبت اور دوری کی حالت کا واقعہ ہے اور یہ زندگی کی بات نہیں بلکہ وصال کے بعد کا واقعہ ہے اور اس انداز سے توسل کا معمول صرف حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی کا نہیں تھا بلکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ دیگر صحابہ سے بھی یہ ثابت ہے اور اہل مدینہ کا بھی یہ معمول تھا چنانچہ علامہ خفاجی فرماتے ہیں "وقد روی مثله لابن عباس وذکره النووی فی اذکاره وروی ایضاً عن غیرهما وهذه مما تعاهده أهل المدينة"۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان روایات و آثار سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صحابۂ کرام بھی مواقع مشکلات میں اللہ کے رسول ﷺ کا اسم مبارک لیا کرتے تھے اور آپ کو وسیلہ اپنے معاملات میں بناتے تھے۔

دلیل نمبر (۸):

اثباتِ توسل بعد الوفات کی آٹھویں دلیل حضرت عائشہؓ کا وہ فیصلہ ہے جو حضرات صحابۂ کرام کی موجودگی میں کیا اور بلا نکیر اس پر عمل کیا گیا، الفاظ حدیث بحوالۂ سنن دارمی نقل کئے جاتے ہیں، "عَنْ أَبِی الْجَوْزَاءِ قَالَ قَحِطَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ قَحْطاً شَدِيْدًا فَشَكَوْا إِلٰى عَائِشَةَ، فَقَالَتْ فَانْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كُوًا إِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا حَتّٰى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَ الْاِبِلُ حَتّٰى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامُ الْفَتْقِ" یعنی ایکبار مدینہ طیبہ میں شدید قحط پڑا اہل مدینہ نے حضرت عائشہ

رضؓ کو صورت حال سے باخبر کیا حضرت عائشہؓ نے فرمایا روضۂ اقدس کے وسط میں ایک روشندان بنا دو قبر مبارک اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو چنانچہ صحابہ کرام نے ایسا ہی کیا اس کے بعد ایسی بارش ہوئی کہ ہر طرف ہریالی چھا گئی اور اس کو کھا کر مدینہ طیبہ کے اونٹ موٹے تازے ہو گئے اسی وجہ سے اس کا نام ہی عام الفتق پڑ گیا (دارمی ۱/۴۳)۔

قارئین غور فرمائیں کیا اس توسل میں کوئی شبہ ہے؟ اور کیا یہ وفات کے بعد

توسل نہیں ہے؟ اور کیا اس سے صحابۂ کرام سے توسل بالنبی بعد الوفات ثابت نہیں ہوتا؟ اور کیا اس توسل کی برکت ظاہر نہیں ہوئی؟

سبحان اللہ اس قدر واضح دلائل کے باوجود نہ معلوم کیوں توسل بالنبی بعد الوفات میں شبہ ہے ان دلائل کے بعد تو سارے شبہات ختم ہو جانے چاہئیں لیکن افسوس ہے ان لوگوں پر جن کا خیال یہ ہے کہ پنچوں کی بات سر آنکھوں پر لیکن کھونٹا گڑیگا وہیں''۔

دلیل نمبر (۹):

اثباتِ توسل بعد الوفات کی نویں دلیل وہ واقعہ ہے جسے ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں نقل کیا ہے جو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں پیش آیا تھا کہ لوگ قحط کی وجہ سے بے حد پریشان تھے ایک صاحب روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور آپ کے توسل سے دعاء کی اور آپ سے بارش کے لئے سفارش کی اسی رات خواب میں اللہ کے رسول ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ نے بشارت دی کہ بارش ہوگی اور امیر المؤمنین عمرؓ سے میرا اسلام کہنا۔

دلیل نمبر (۱۰):

حضرت امام مالکؒ جو امام دار الہجر ۃ کے نام سے موسوم ہیں اور جن کے

نزدیک تعامل اہل مدینہ اساس و بنیاد مسلک کی حیثیت رکھتا ہے اور جنہوں نے پوری زندگی مدینہ طیبہ کی مقدس سرزمین پر مسجد نبوی میں روضۂ اقدس کے پاس حدیث پاک کی تدریس میں گذاری ہے ان کا مسلک اور تاثر توسل بعد الوفات کے سلسلہ میں سپرد قلم اور نذر قارئین ہے۔

حضرت امام مالک کا ارشاد:

ایک بار خلیفہ ابوجعفر منصور امام مالکؒ سے مسجد نبوی میں بلند آواز سے ہمکلام ہوا۔ امام مالک نے فرمایا آہستہ بولو ارشاد باری ہے: ”لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ“ ۔ مسجد نبوی میں آپ کی حیات کے بعد بھی بلند آواز سے بات کرنا بے ادبی ہے، ”لِأَنَّ حُرْمَتَهُ حَيًّا كَحُرْمَتِهِ مَيِّتًا“ چونکہ آپ ﷺ اپنی حیات طیبہ میں جس طرح واجب الاحترام والتکریم تھے اسی طرح وصال کے بعد بھی قابل احترام واکرام ہیں۔ پھر خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام مالک سے سوال کیا میں قبلہ کی طرف رخ کر کے دعاء کروں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف رخ کر کے دعاء کروں، امام مالکؒ نے فرمایا: ”هُوَ وَسِيلَتُكَ وَوَسِيلَةُ أَبِيكَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ ۔ آپ ﷺ سے رخ پھیر کر تو کہاں جائے گا اللہ کے رسول ﷺ تمہارے اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے وسیلہ ہیں، حضور کی طرف منھ کر کے دعاء کر اور سفارش طلب کر و اللہ پاک اپنے محبوب کی سفارش قبول کرے گا اس کے بعد یہ

آیت پڑھی، ”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا“۔

خلاصۂ دلائل:

الغرض آپ ﷺ کی عظمت واحترام، توقیر وتعظیم جس طرح حیات طیبہ میں مامور بہ تھی اسی طرح وصال کے بعد بھی، اور استمداد واستغاثہ وتوسل کی جس طرح حیات طیبہ میں اجازت تھی اسی طرح وصال کے بعد بھی اس کی اجازت ہے بلکہ مستحسن ہے اور صحابہ کرام کا تعامل رہ چکا ہے لہذا کوئی بھی مسلمان اگر آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعاء کرے تو اس کی تغلیط غلط ہے، دلائل عشرہ سے یہ بات بے غبار ہوگئی کہ توسل بالنبی بعد الوفات بھی ثابت ہے، ”وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ“ ۔ آیات وروایات کے بعد اب کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی لیکن تائید وتقویت کے لئے اسلاف واکابرین کے آراء بھی سپرد قلم ونذر قارئین ہیں۔

اسلاف واکابرین کی آراء

(۱) علامہ آلوسی کی رائے:

صاحب تفسیر روح المعانی علامہ محمود آلوسی جوفن تفسیر کے دقیق النظر علماء میں ہیں وہ اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں، "وبعد هذا كله أني لا أرى بأساً في التوسل إلى الله بجاه النبي ﷺ عند الله حياً وميتاً" (روح المعانی ۲۹۹/۳)، یعنی میں توسل بجاہ النبی میں کوئی حرج نہیں سمجھتا یہ توسل جس طرح حالت حیات میں درست تھا وصال کے بعد بھی درست ہے۔

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی رائے:

ہندوستان کے قابل فخر و مایۂ ناز محدث حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی جنھوں نے ہندوستان میں احادیث وکتب احادیث کا تعارف کرایا اور سارے اہل مدارس ومحدثین باب حدیث میں ان کے مرہون منت ہیں وہ بھی توسل بالنبی بعد الوفات کے قائل ہیں بلکہ سارے صلحاء واولیاء کے فیوض واستفاضہ کے قائل ہیں اپنی مشہور کتاب فیوض الحرمین میں رقمطراز ہیں: "توجهت إلى قبور أئمة أهل

البیت رضوان الله علیهم أجمعین فوجدت لهم طریقة خاصة" الخ۔یعنی اہل بیت کی قبور کی طرف توجہ کی تو ان کے لئے خاص طریقہ پایا۔

حضرت شاہ صاحب اپنی کتاب رسالہ ''جزء لطیف'' میں تحریر فرماتے ہیں ''میں اپنے والد ماجد کی قبر شریف پر بکثرت حاضری دیتا رہا جس سے راہِ توحید میرے اوپر کشادہ ہوگئی''۔

اس کے علاوہ مختلف مقامات پر حضرت شاہ صاحب نے قبور صلحاء واولیاء پر حاضر ہونے اور فیض اٹھانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

(۳) شیخ تبریزی کی رائے:

شیخ ولی الدین تبریزی صاحب مشکوۃ جن کی مشہور زمانہ کتاب مشکوۃ شریف جو ہندوستان کے مدارس کے نصاب میں داخل ہے وہ اپنی کتاب ''الاکمال فی اسماء الرجال'' میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے تذکرہ کے تحت لکھتے ہیں:''وقبره قریب من سورها معروف إلی الیوم معظم یستشفون به فیشفعون'' (اکمال/٦) یعنی حضرت ابوایوبؓ کی قبر سے لوگ شفایاب ہوتے ہیں۔

اسی طرح حضرت سعید بن جبیرؒ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:''ودفن سعید بظاهر واسط العراق وقبره بها یزار'' یعنی حضرت سعید بن جبیر کی قبر کی زیارت کے لئے لوگ جاتے ہیں۔اسی طرح امام نووی کی قبر کے بارے میں لکھا ہے

"وقبرہ یزار" ان کی قبر بھی زیارت گاہ زائرین ہے۔

(۴) حضرت مجدد الف ثانی کی رائے:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی جن کی شخصیت محتاج تعارف نہیں وہ اپنے رسالہ "مبدأ و معاذ" میں اس بات کے مقر ہیں کہ سیر و سلوک کے وقت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی روح مبارک میری مدد و معاون رہی۔

واز آن مشائخ عظام روحانیت حضرت خواجہ قطب الدین بیش از دیگراں امداد فرمود، الحق ایشاں درآں مقام شان عظیم دارند"۔

(۵) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی رائے:

حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی جن سے ہندوستان کا خورد وکلاں واقف ہے علم وعمل شریعت وطریقت کا جو اہتمام تھا اس کے بتلانے و لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے بارے میں "لطائف اشرفی" میں مرقوم ہے۔ "حضرت قدوۃ الکبراء می فرمودند مردگاں از آمدنِ زائر و توجہ او خبر دارند چہ عالم روحانی لطافت وارد بتخصیص کہ ارواحِ اکابر اندک توجہ زائر مشعر میکردند نقل است کہ حضرت سلطان المشائخ بزیارتِ مرقد متبرک حضرت خواجہ قطب الدین رفتند درحین مشغولی بخاطر شریف ایشاں رسید کہ آیا ازیں توجہ من روحانیت ایشاں اشعار داشتہ باشد ہنوز ایں خطور تمام نشدہ بود از

مرقدِ منورِ ایشاں صدائے برآمد بعبارت فصیح ؎

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن
مداں خالی از ہمنشینی مرا
بہ بینم ترا گر نہ بینی مرا

یعنی حضرت سلطان المشائخ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی زیارت اور اخذ فیوض کے لئے ان کے مزار پر جایا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت باقی باللہؒ حضرت قطب کے مزار پر حصولِ فیضان کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے جس کی تفصیلات ''زبدۃ المقامات'' میں درج ہیں۔
الحاصل یہ وہ اکابرین امت واسلافِ ملت ہیں جن کے علم وفضل تقوی طہارت اتباع سنت عشق رسول پر پوری امت کو ناز ہے اور ہندوستان میں دین واسلام اور احادیث نبویہ کی اشاعت ان کی مرہون منت ہے، یہ حضرات نہ یہ کہ توسل بالنبی بعد الوفات کے قائل ہیں بلکہ مطلقاً توسل بالاموات کے قائل ہیں اولیاء وصلحاء سے اکتساب فیض واخذ فیض کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ عملی طور پر اکتسابِ فیض اور حاضری ثابت ہے۔ لیکن اس فیض کو کوئی صاحب بصیرت ہی سمجھ سکتا ہے کورِ باطن کیا سمجھے گا، وہ تو صرف ظاہر کی باتیں کر سکتا ہے باطن کی بات تو اربابِ باطن ہی کر سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں۔

توسل کے بارہ میں اسلاف واکابرین کی تحریرات :

ان اکابرین واسلافِ ہند کی تحریرات نقل کی جاتی ہیں جن کے علم وفضل، زہد وورع، خوف وخشیت، اتباعِ سنت، عشقِ رسول سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے اور آج ان حضرات کے علمی فیوض وبرکات سے نہ یہ کہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم کے مسلمان بہرہ ور ہو رہے ہیں آج پوری دنیا میں دین وایمان کی چہل پہل کی یہ آخری کڑیاں ہیں جن کے علوم سے بلاواسطہ یا بالواسطہ استفادہ کرنے والے کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔

ا۔حضرت شیخ الہند تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ توسل کے بارے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی اسیر مالٹا وبانی آزادیٔ ہند نور اللہ مرقدہ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں ”حق تعالی شانہ سے حاجت طلب کرنا اور رسول کریم ﷺ کو ذریعہ اور وسیلہ قبولیت بنانا جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن اور ارجی للاجابۃ ہے چنانچہ روایات حدیث وفقہ سے یہ امر ثابت ہے“۔

۲۔حضرت مولانا وصیت علی صاحب کی تصویب:

اس تحریر کی تصدیق حضرت مولانا محمد وصیت علی صاحب نور اللہ مرقدہ نے کی

ہے اور الجواب صحیح کی مہر ثبت کی ہے جو ۱۳۱۴ھ میں مدرسۂ مولوی عبد الرب دہلی میں تدریس کی خدمت پر فائز تھے اور علمی میدان میں قابل تذکرہ شہرت کے حامل تھے۔

۳۔حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی تصدیق:

اسی طرح حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہ نے بھی اس تحریر کی تصویب کی ہے اور تائیدی دستخط ثبت کئے ہیں مفتی محمد شفیع صاحب بھی ان دنوں مدرسہ مولوی عبد الرب میں تدریسی خدمات پر فائز تھے اس کے بعد دار العلوم دیوبند کے افتاء کی بھی ذمہ داریاں آپ کے سر آئیں اور پھر کراچی میں دار العلوم کے نام سے ایک بڑا ادارہ قائم فرمایا اور پاکستان کے مفتی اعظم کے لقب سے جانے پہچانے گئے۔

۴۔حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مفتیٔ اعظم ہند نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں ''وسیلہ پکڑنا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام اہل سنت وجماعت کے نزدیک جائز اور مستحب ہے اور کوئی دلیل اس کے منع پر شرع مقدس میں قائم نہیں ہے، سلف وخلف اہل حق میں سے کوئی اس کا مخالف نہیں ہوا، البتہ ابن تیمیہ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور ان کی اتباع میں اور دو چار اہل حق توسل کے مخالف ہو بیٹھے،

لیکن تمام اہل حق نے ابن تیمیہ کا اس مسئلہ میں تخطیہ کیا ہے اور توسل کے جواز پر اہل حق کا اتفاق ثابت کیا ہے، علامہ سید محمد امین المعروف بابن عابدین الشامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:"ذکر العلامة المناوی فی حدیث اللهم إنی أسئلک وأتوجه إلیک بنبیک نبی الرحمة عن العز بن عبد السلام أنه ینبغی کونه مقصوداً علی النبی علیه الصلاة والسلام وان لا یقیم علی الله بغیره وان یکون من خصائصه قال وقال السبکی یحسن التوسل بالنبی إلی ربه ولم ینکره أحد من السلف ولا الخلف إلا ابن تیمیة فابتدع ما لم یقله عالم قبله" ۔اور فتاوی عالمگیری میں ہے:"ویبلغه سلام من أوصاه فیقول السلام علیک یا رسول الله من فلان بن فلان یستشفع بک إلی ربک ، الخ"لہٰذا مذہب حق یہ ہے کہ توسل آنحضرت ﷺ کے ساتھ بعد وفات جائز ہے۔

۵۔حضرت مولانا قاسم نانوتوی توسل کے استحسان کے قائل تھے:

حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نوراللہ مرقدہ بھی جواز ہی نہیں بلکہ توسل کے استحسان کے قائل تھے حضرت نانوتوی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں جس سنگین ماحول میں دارالعلوم دیوبند کی داغ بیل آپ نے ڈالی ہے اور جس نازک موڑ پر امت کی تعلیم تہذیب وثقافت کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا اس کو پوری

زندگی امت فراموش نہیں کرسکتی آج کوئی بھی جو چاہے کہے اور ڈینگے لیکن جب امت سسک رہی تھی اس وقت انہی اکابرین نے امت کو سنبھالا اور سہارا دیا۔

٦۔ حضرت مولانا محمد امین صاحب کی تحسین:

اسی طرح حضرت مولانا محمد امین صاحبؒ استاذ مدرسہ امینیہ دہلی نے بھی اس تحریر کی ''ما احسن الجواب'' کے ساتھ تحسین فرمائی۔

٧۔ حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب کی تصویب:

حضرت مولانا ضیاء الحق صاحبؒ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی نے بھی اس تحریر کی تصویب فرمائی۔

٨۔ حضرت مولانا منفعت علی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا منفعت علی صاحبؒ جو ہندوستان کے مایۂ ناز علماء میں ہیں ١٣١٤ھ میں سو سال پہلے مدرسہ فتحپوری دہلی میں صدر مدرسی کے عہدہ پر فائز تھے وہ رقمطراز ہیں ''کیا نبی ﷺ ذریعۂ دعاءِ جناب باری نہیں عجیب بات ہے اس قدر جرأت و دلیری مسلمان کو نہ چاہیئے خصوصاً جو انبیاء کو زندہ تسلیم کرے پھر بھی کہے کہ انبیاء سے توسل واسطے اجابتِ دعاء سے نہ چاہیئے بہت ہی بعید ہے۔

۹۔حضرت مولانا شاہ محمد عمر صاحب رقمطراز ہیں:

حضرت مولانا شاہ محمد عمر صاحب قادری دہلویؒ جوشاہ سراج الحق کے لقب سے مشہور تھے تحریر فرماتے ہیں ''توسل بجناب سید الرسل وتشبث باذیال ہداۃ الانام والسُبل سلفاً وخلفاً مشہور ومتوارث ہے''۔

۱۰۔صاحب تفسیر حقانی حضرت مولانا عبدالحق صاحب لکھتے ہیں:

صاحب تفسیر حقانی حضرت مولانا ابومحمد عبدالحق صاحب دہلویؒ رقمطراز ہیں:

''توسل کے معنی پراگرغور کیا جائے اور خاص لفظی بحث کو چھوڑ دیا جائے تو کسی مسلمان کواس میں ذرہ برابر بھی شبہ کرنے کی مجال نہ ہوگی کہ حضرت رسول کریم ﷺ کا واسطہ روحانی ایسا ہی ہے جیسا روح کا جسم کے لئے ،انسان کا اصلی یہ جسم فانی ومتغیر نہیں نہ یہ مدرک ہے وہ جوکچھ رنج وراحت کے مزے اور تلخیاں اٹھانے والا انسان ہے وہ روح ہے جس کواس جسم عنصری سے جدا ہوجانا مردہ نہیں کرسکتا پھر ارواح کی تربیت اوران پرفیضِ الٰہی نازل ہونے کا وسیلہ اس حالتِ حیات میں بھی اور مرنے کے بعد بھی رسالت بالخصوص رسالتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نہیں ہے تو اور کیا چیز ہے، ایمانداروں پرجو کچھ روحانی برکات وفیوض پہنچتے ہیں وہ نبی ہی کے ذریعہ پہنچا کرتے ہیں،جس سے وہ سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے اس سے وہ فیض بھی اسی طرح منقطع ہوجاتا

ہے کہ جس طرح اجسام میں انفصالِ جسمانی سے طبیعت مدبرہ کا فیض منقطع ہو جاتا ہے اور جب ارواح کو بالخصوص روحِ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ روحی فداہ ﷺ کو موت نہیں بلکہ کدورتِ جسمانیہ دور ہو جانے سے اور بھی ترقی ہو جاتی ہے جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔"إِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ" تو پھر حیاتِ عرفی ومماتِ عرفی کا مسئلہ پیش کرنا محض نافہمی ہے۔

اکابرین واسلاف امت وخدامِ حدیث واساطینِ ملت کی صرف دس تحریرات پر اکتفاء کرتا ہوں انصافِ بیں کے لئے اتنی مقدار بہت ہے۔

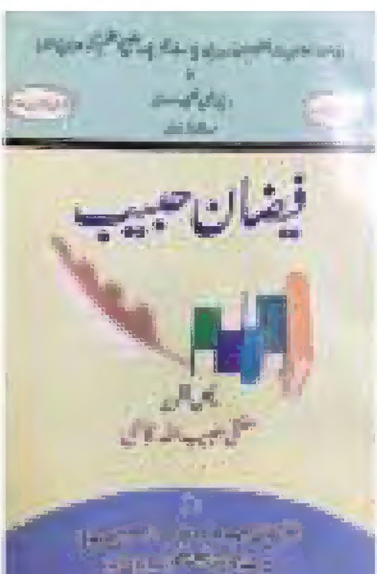

منکرینِ حدیث کے دلائل کے جوابات

اب انتہائی اختصار کے ساتھ منکرینِ حدیث کے مسئلہ توسل بعد الوفات کے سلسلہ کی دلیل وشبہات کے جوابات قارئین کی نذر کررہا ہوں۔

منکرین توسل کی دلیل (۱):

منکرینِ توسل کی سب سے مضبوط روایت واقعۂ حضرت عمرؓ ہے جو مشکوۃ شریف اور بخاری شریف وغیرہ دیگر کتب احادیث میں موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''عَنْ أَنَسٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِؓ كَانَ إِذَا قَحطُوْا اِسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْکَ بِنَبِيِّکَ ﷺ فَتَسْقِيْنَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْکَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ بِهٖ'' طریقۂ استدلال یہ ہے کہ اگر توسل بالنبی وصال کے بعد درست ہوتا تو حضرت عمرؓ ''إِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْکَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا'' نہ فرماتے بلکہ اللہ کے رسول ﷺ ہی سے توسل فرماتے جس کا مطلب یہ ہے کہ توسل بعد الوفات درست نہیں۔

انکارتوسل کی دلیل کا جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے بھی مقصود دراصل توسل بالنبی ہی ہے۔

حضرت عباسؓ کا تذکرہ بھی قرابتِ نبوی ہی کی وجہ سے کیا اور خود حضرت عباس بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ مقصود کیا ہے اسی وجہ سے حضرت عباس نے بھی اس قرابت اور توسل کا تذکرہ کیا ہے ”وَفِیْ حَدِیْثِ اَبِیْ صَالِحٍ فَلَمَّا صَعِدَ عُمَرُ وَمَعَهُ الْعَبَّاسُ اَلْمِنبَرُ قَالَ عُمَرُؓ إِنَّا تَوَجَّهْنَا إِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّکَ وَصِنْوُأَبِیْهِ وَاسْقِنَا الْغَیْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِیْنَ ثُمَّ قَالَ قُلْ یَا أَبَا الْفَضْلِ فَقَالَ الْعَبَّاسُ اَللّٰهُمَّ لَمْ یَنْزِلْ بَلَاءٌ إِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ یُکْشَفْ إِلَّا بِتَوْبَةٍ وَقَدْ تَوَجَّهَ بِیَ الْقَوْمُ إِلَیْکَ لِمَکَانِیْ مِنْ نَبِیِّکَ وَهٰذِهٖ أَیْدِیْنَا إِلَیْکَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِیْنَا بِالتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَیْثَ قَالَ فَأَرْخَتِ السَّمَاءُ شَآبِیْبَ مِثْلَ الْجِبَالِ حَتّٰی اِخْصَبَتِ الْأَرْضُ وَعَاشَ النَّاسُ“ (عمدۃ القاری شرح بخاری ۱/۴۳۷)۔

اس روایت کا یہ جملہ ”وَقَدْ تَوَجَّهَ بِیَ الْقَوْمُ إِلَیْکَ لِمَکَانِیْ مِنْ نَبِیِّکَ“ صراحۃً اس بات پر دال ہے کہ حضرت عباسؓ کو حضرت عمرؓ نے اس وجہ سے نہیں پیش کیا کہ وہ توسل بعد الوفات کے قائل نہیں تھے بلکہ اس توسل میں مزید تقویت کے لئے قریبی قرابت کا تذکرہ فرمایا ورنہ اس میں بھی حقیقتاً نبی ﷺ ہی سے توسل تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عمل سے جواب کی تائید:

چنانچہ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک بار امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب آپ مرتدین کے مقابلہ کے لئے لشکر بھیج رہے تھے، حضرت

عباسؓ سے فرمایا اے عباس آپ مدد کی دعاء فرمائیں اور میں آمین کہتا ہوں کیونکہ آپ کا جو تعلق رسول اللہ ﷺ سے ہے اس کے تحت مجھے امید ہے کہ آپ کی دعاء رد نہ ہوگی۔ ”**يَا عَبَّاسُ اسْتَنْصِرْ وَأَنَاأُؤَمِّنُ فَإِنِّي أَرْجُو أَنْ لَا يَخِيبَ دَعْوَتُكَ لِمَكَانِكَ مِنْ نَبِيِّ اللّٰهِ** ﷺ“ (عینی شرح بخاری ۱/۴۳۷)۔

خلاصۂ جواب:

الحاصل حضرت عمر توسل بالنبی بعد الوفات کے منکر نہیں تھے جہاں آپ اکثر رسول اللہ ﷺ کو وسیلۂ دعاء بناتے تھے وہیں آپ نے کبھی حضرت عباسؓ کو بھی وسیلۂ دعاء بنایا ہے اس سے توسل کی نفی نہیں ہوتی اور نہ ہی نفی مقصود ہے۔

علامہ سبکی کا جواب:

اسی وجہ سے علامہ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں: ”**ليس في توسله بالعباس إنكار للتوسل بالنبي ﷺ أو بالقبر**“، بلکہ اس روایت سے توسل بالنبی کے ساتھ اہل خیر واہل صلاح واہل بیتِ نبی سے توسل بھی ثابت ہوتا ہے اور حضرت عمرؓ نے تو دراصل حق قرابت عباس بالنبی ادا کیا ہے۔

حافظ ابن حجر کا اعتراف:

چنانچہ اس کا اعتراف خود حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری شارح

بخاری نے بھی کیا ہے، فرماتے ہیں: ”ویستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاع بأهل الخير وأهل بيت النبوة وفيه فضل عباس وفضل عمر لتواضعه للعباس ومعرفته“ (تحفہ اھ)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ جملہ ”بأهل الخير وأهل بيت النبوة“ اس پر دال ہے کہ خود حافظ ابن حجر بھی توسل بعد الوفات کے قائل ہیں۔

منکرین توسل کی دلیل (۲):

بعض منکرین توسل یہ اعتراض کرتے ہیں کہ توسل کو خود حنفیہ نے مکروہ کہا ہے صاحبُ الغرضِ مجنونٌ کے تحت اپنی غرض کے لئے حنفیہ کا سہارا لیا ہے ورنہ حنفیہ کو جو کچھ وہ سمجھتے ہیں اس سے وہ بھی واقف ہیں اور حنفیہ بھی۔ ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر کے حوالہ سے وہ عبارت نقل کی جاتی ہے جس کو بنیاد بنا کر منکرین پیش کرتے ہیں۔ ”قال أبو حنيفة وصاحباه يكره أن يقول الرجل أسئلك بحق فلان أو بحق أنبيائك أو بحق البيت الحرام والمشعر الحرام أو نحو ذلك إذ ليس لأحد على الله حق“۔ اسی طرح ہدایہ میں ہے: ”ويكره أن يقول في دعائه بحق فلان أو بحق أنبيائك ورسلك لأنه لا حق للمخلوق على الخالق، الخ“۔

دلیل نمبر (۲) کا جواب:

اس کا جواب سنئے۔حق کے دو معنی ہیں (۱) معنی حقیقی جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں دائن کا فلاں مدیون کے ذمہ یہ حق ہے یعنی ثابت اور واجب اور لازم کے معنی میں لفظِ حق کبھی استعمال کیا جاتا ہے۔(۲) معنی مجازی یعنی حرمت واحترام یا وہ حق مراد ہے جس کا وعدہ بتقاضائے رحمت خود اللہ پاک نے فرمایا ہے۔ چنانچہ خود ملا علی قاری فرماتے ہیں: ”فالمراد بالحق الحرمة إذ الحق الذی وعده بمقتضی الرحمة“ (شرح فقہ اکبر)، دراصل حنفیہ نے ایک خاص پس منظر میں اس کو مکروہ کہا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کا جواب:

جس کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کی زبانی سنئے فرماتے ہیں فقہ کی کتابوں میں لفظ حق جس کے استعمال سے منع کیا گیا ہے اولاً تو وہ حق کے حقیقی معنی ثابت وواجب کے مفہوم میں ممنوع ہے ثانیاً یہ کہ ایک دور وہ گذرا ہے جس میں معتزلہ ہر طرف دندنا رہے تھے اوران کے عقائدِ فاسدہ وکاسدہ کا بڑا چرچا تھا اور لفظ حق ان کے مذہب کا موہم تھا اس لئے فقہاء نے منع فرمادیا تھا کہ کسی کا خیال اس لفظ سے ان کے مذہب کی طرف نہ جائے۔ وآنچہ در کتبِ فقہ ممنوع است حق حقیقی است

واز بسکہ درزمانِ سابق مذہبِ معتزلہ رواج بسیار داشت واستعمال ایں لفظِ موہم مذہبِ ایشاں می شد فقہاء مطلقاً دراستعمال ایں لفظ منع نمودہ اند تا خیال کسے بآن مذہب نہ رود''اھ (تفسیر عزیزی ۱۸۴)۔

خلاصۂ جواب:

امید کہ ان تحریرات وتصریحات سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ حضرات فقہاء نے حق کو کس معنی میں استعمال کرنے سے منع کیا ہے اور کس پس منظر میں منع کیا ہے چونکہ اگر اس سے صرفِ نظر کرلیا جائے اور مطلقاً ممنوع قرار دیا جائے تو پھر اس کا جواب ہوگا کہ خود حضور اکرم ﷺ سے اس لفظ کا استعمال ثابت ہے اور ان الفاظ سے دعاء کرنا ثابت ہے، ''اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ إِلَیْکَ فَإِنِّی لَمْ أَخْرُجْ اَشَرّاً وَ لَا بَطَراً'' الحدیث (حصن حصین، وایضاً الفتح الرحمانی ۲۳۶/۲)۔

ابن تیمیہ کا اعتراف:

خود ابن تیمیہ نے بھی حق کے معنی ثانی میں استعمال کا اعتراف کیا ہے اور کہا ہے حسب وعدہ وفضل خداوند کریم بحق فلاں کہنا قرآن وحدیث نصوص کے موافق اور صحیح وثابت ہے۔ ''وقد اتفق العلماء علی وجوب ما یجب بوعدہ الصادق''۔

تفصیل کے لئے ابن تیمیہ کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم کا مطالعہ کریں۔

ابن تیمیہ کے عقائد:

ابن تیمیہ کی تقلید کرنے والے حضرات ان کی کن کن امور میں تقلید کریں گے انہوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے۔ جہنم کی آگ فنا ہو جائے گی۔ انبیاء کرام گناہوں سے معصوم نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا کوئی مرتبہ اللہ کے نزدیک نہیں۔ اس لئے آپ ﷺ سے توسل بھی جائز نہیں ہے۔ اللہ کے حبیب امام الانبیاء فخر موجودات فداہ ابی وامی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کی زیارت کو گناہ قرار دیا ہے، اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر کوئی روضۂ مبارکہ کی زیارت کے لئے جائے تو اس کے لئے نماز میں قصر کی اجازت نہیں، **"قال إن النار تفنى، وإن الأنبياء غير معصومين، وإن رسول الله ﷺ لا جاه له، ولا يتوسل به، وإن انشاء السفر إليه بسبب الزيارة معصية لا تقصر الصلوة فيه"** (مقدمہ شفاء السقام ۱۲)۔

استغفر اللہ العظیم دیکھا آپ نے کس انداز کی باتیں لکھ رہے ہیں۔ کیا اللہ کے رسول ﷺ کا اتنا حق نہیں ہے کہ ایک مسلمان آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہو جبکہ وصال کے بعد روضہ کی حاضری کو اللہ کے رسول ﷺ نے زندگی کی ملاقات کے مثل قرار دیا ہے۔ "مَنْ زَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَكَأَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ"۔ اگر آج اللہ کے رسول ﷺ زندہ ہوتے تو ابن تیمیہ کے مقلدین آپ کی زیارت کے

لئے حاضری سے مسلمانوں کو روکتے؟ اگر نہیں روکتے تو آج کیوں منع کرتے ہیں؟

"وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ"۔

اسی مختصر تحریر پر اپنی کتاب ختم کرتا ہوں اور اللہ سے دعاء ہے اللہ پاک پوری امت کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے اور اپنے محبوب کے صدقہ وطفیل میں اس خادم کی اس طالبِ علمانہ کاوش کو قبول فرما کر اپنے واپنے محبوب کے تقرب وخوشنودی اور آخرت کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ اور آخرت میں اپنے محبوب کی شفاعت نصیب فرمائے۔

هو الحبيب الذی ترجی شفاعته

لكل هول من الأهوال مقتحم

فقط

مفتی حبیب اللہ قاسمی

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور

سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

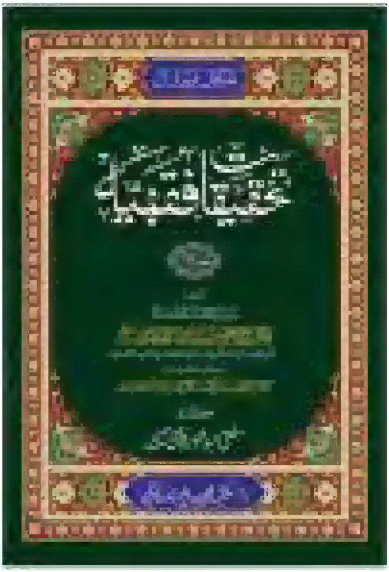

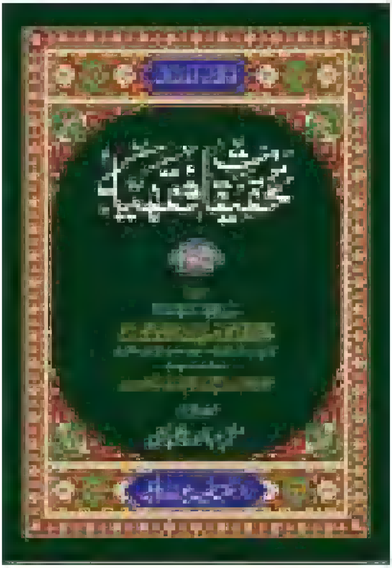

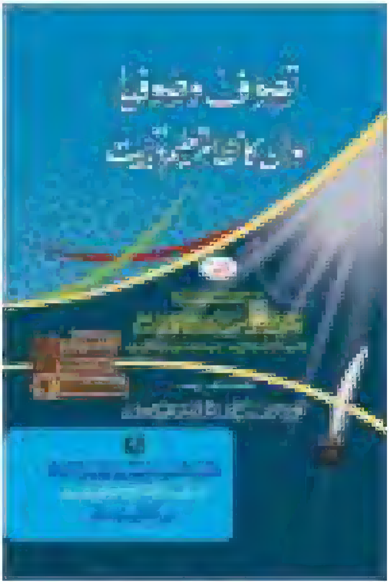

تنقیح الاذہان

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

عرض حبیب

زیر نظر رسالہ (تنقیح الاذہان فی انتقال جسد المیت من مکان الی مکان) اپنے موضوع پر منفرد و یکتا رسالہ ہے جو دراصل چند سوالات کے علمی جوابات پر مشتمل ہے۔ آج سے سات سال قبل مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور کے بانی وناظم حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالحلیم صاحب نور اللہ مرقدہ نے چند سوالات خادم سے کئے اور فرمایا کہ مفتی صاحب ان سوالات کے جوابات آپ مدلل لکھیں تاکہ اس کو رسالہ کی شکل میں طبع کرا کے تقسیم کردیا جائے۔ چونکہ اس مسئلہ میں عموم بلوی ہوتا جارہا ہے۔ کثرت سے سعودیہ وغیرہ سے اس علاقہ میں نعش آنے لگی ہے تاکہ لوگوں کو صحیح مسئلہ کا علم ہوجائے۔ خادم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سوالات کے ساتھ کچھ دوسرے اہم سوالات شامل کر کے جوابات لکھے، لیکن بتقدیر الٰہی رسالہ زیور طبع سے اس وقت آراستہ نہیں ہوسکا۔ آج پھر اس کی ضرورت محسوس کی گئی۔ احباب کے اصرار پر یہ گرانقدر علمی مقالہ حضرات قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ دعا ہے اللہ پاک صحیح مسئلہ کی رہنمائی کے لئے اس کتاب کو قبول فرمائے اور امت مسلمہ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوالات:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

وطن سے دور انتقال کے بعد نعش کو وطن لے جانا درست ہے یا نہیں:

۱- زید کا انتقال وطن سے بہت دور ملک کے اندر یا ملک کے باہر ہو گیا۔ اس کے ورثاء کی خواہش یا اصرار پر یا بغیر اصرار کے زید کی نعش کو اس کے وطن پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟

وطن لے جانے کی وصیت درست ہے یا نہیں؟

۲- اگر میت کے جسد کا انتقال جائز نہیں تو اگر کوئی شخص مرنے سے قبل مرض الوفات میں جنازہ وطن پہنچانے کی وصیت کرے، تو یہ وصیت واجب العمل ہے یا نہیں؟

اگر گنجائش ہے تو کہاں تک؟

۳- جنازہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا مطلقا ممنوع ہے؟ یا اس میں کچھ

گنجائش ہے؟ اگر گنجائش ہے تو اس کی حد کیا ہے؟

اگر گنجائش نہیں تو حبشہ سے مکہ مکرمہ جنازہ کیوں منتقل کیا گیا؟

۴- اگر جنازہ منتقل کرنے کی گنجائش نہیں تو پھر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا جنازہ مدینہ طیبہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا جنازہ مقام حبشی سے مکہ مکرمہ کیوں منتقل کیا گیا؟

حضور اور صحابہ کے زمانہ میں کیا معمول تھا؟

۵- حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اور اس کے بعد صحابہ کرامؓ کی حیات مبارکہ میں جنازہ کی تدفین کے سلسلے میں کیا معمول رہا ہے؟

اگر کسی مدرسہ میں طالب علم کا انتقال ہو جائے تو اخراجات کس کے ذمہ ہوں گے؟

۶- اگر کسی مدرسہ میں کسی استاذ یا طالب علم کا انتقال ہو جائے تو منتظمین مدرسہ کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ تجہیز و تکفین کا خرچ ورثاء کے ذمہ ہے یا مدرسہ کے ذمہ؟

جنازہ وطن پہونچانے کے اخراجات کا متحمل کون ہوگا؟

۷- اگر ورثاء کی خواہش یا اصرار پر یا منتظمین مدرسہ نے ازخود جنازہ میت کے

وطن پہنچادیا تو اس نقل وحمل کے اخراجات کس کے ذمہ ہوں گے، ورثہ کے یا مدرسہ کے؟

اگر مدرسہ کے ذمہ ہیں تو کیوں؟

۸- اگر مدرسہ کے ذمہ ہیں تو کیوں اور یہ صرف کس مد میں درج کیا جائے؟

جنازہ وطن لے جانے میں کیا منکرات ہیں؟

۹- جنازہ منتقل کرنے میں موجود یا متوقع منکرات کیا ہیں، جن کی شرعاً اجازت نہیں ہے؟

نوٹ: یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ سوالات نقل جسد بعد دفن کے بارے میں نہیں، کیونکہ تدفین کے بعد نقل جسد باتفاق مشائخ ناجائز ہے۔

فقط

المستفتی

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم،
بانی ومہتمم جامعہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور

۱۳/۱/۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جوابات:

ایک شہر سے دوسرے شہر جنازہ لے جانا مکروہ ہے:

۱- ورثاء کی خواہش واصرار پر یا بغیر خواہش واصرار کے مطلقا جنازہ کو ایک شہر سے دوسرے شہر، یا ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

زید کو اسی جگہ دفن کر دینا، جہاں اس کا انتقال ہوا ہے مستحب ہے۔

”ویستحب الدفن فی مقبرة محل مات فیه، أو قتل، لماروی: عن عائشةؓ أنها قالت حین زارت قبر أخیها عبد الرحمن و کان مات بالشام و حمل منها، لو کان الأمر فیک إلی مانقلتک ولدفنتک حیث مت“ (شرنبلالیہ:۳۳۷)۔

أن النقل من بلد إلی بلد مکروه أی تحریماً الخ (طحطاوی علی المراقی ص:۳۳۷)۔

وهکذا فی رد المحتار و البحر الرائق، کتاب الجنائز.

حتی کہ اگر والدہ کا اصرار ہو اور انتقال لڑکے کا ہوا ہو پھر بھی منتقل کرنے کی اجازت نہیں، و نظیره فلو دفن ولدها بغیر بلدها وهی لاتصبر وارادت نبشه ونقله إلی بلدها لایباح لهاذلک الخ“ (طحطاوی:۳۳۷)۔

جنازہ کا ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل کرنا غیر شرعی ہے اور صرف رواجی چیز ہے، ایسا کرنے والے مکروہ تحریمی کے مرتکب ہیں، لہٰذا ورثاء کو چاہئے کہ جہاں انتقال ہوا ہے وہیں دفن کروادیں۔

مقام انتقال سے وطن جنازہ لے جانے کی وصیت باطل ہے:

۲- اگر کسی شخص نے مقام انتقال سے وطن جنازہ پہنچانے کی وصیت کی تو یہ وصیت باطل ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ جس طرح کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میری نماز جنازہ فلاں شخص پڑھائے، یہ وصیت باطل ہے۔ کما فی البزازیہ علی هامش الهندية (۶/۳۹) أمر رجلا بأن يحمله بعد موته إلى موضع كذا أو يدفنه ثمه فالوصية بالحمل إلى موضع كذا باطلة الخ و هكذا فى الفتاوى الهندية (۶/۹۵) "و وصيته بالحمل باطلة".

أوصى بأن يصلى عليه فلان فالوصية باطلة فى الأصح"

ایک دو میل لے جانے کی گنجائش ہے:

۳- ایک دو میل کی گنجائش ہے۔ دو میل سے قدرے زیادتی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ چونکہ عموماً مقابر کا فاصلہ آبادی سے اتنا ہوتا ہے، اس لئے مسافت کی اتنی مقدار ضرورت میں داخل ہے اور اس سے زائد ضرورت سے خارج ہے۔

فإن نقل قبل الدفن قدر ميل أو ميلين و نحو ذلک أى قريبا من الـميلين لا بأس به، لأن المسافة إلى المقابر قد تبلغ هذا المقدار و كره نـقـلـه لأكثر مـنـه، أى أكثر مـن الميلين كذا فى الظهيرية أى أكثر من الـميـلـين كثـــرة فاحشة ، أما الزيادة عليهما بقدر يسير فلا تضر الخ طحطاوى مع المراقى و الشرنبلاليه (۳۳۷)۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک شہر سے دوسرے شہر نہیں منتقل کیا گیا، چونکہ ان کا انتقال مدینہ طیبہ سے چار فرسخ کے فاصلہ پر زرعی زمین میں ہوا تھا اور غالب گمان یہ ہے کہ وہاں کوئی قبرستان نہیں تھا، اس وجہ سے لوگ کندھوں پر سوار کرکے مدینہ طیبہ لائے اور مدینہ طیبہ میں دفن کئے گئے۔"وسعد بن أبی وقاصؓ مـات فـى ضيـعة عـلـى أربـعة فـراسـخ مـن المدينة و نقل على أعناق الرجال إلى المدينة الخ" (مراقی الفلاح:۳۳۷)۔

اورحضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے جنازہ کے انتقال پر حضرت عائشہؓ کی نکیر صراحۃ موجود ہے:"لـو كان الأمر إلى فيک ما نقلتک ولدفنتک حيث مت الخ" (شرنبلالیہ:۳۳۷)۔

جس صحابی کا جہاں انتقال ہوا وہیں تدفین ہوئی:

۵- حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جنازہ کے انتقال مکانی کا کوئی واقعہ خادم کے علم ودانست میں نہیں، چنانچہ جو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین غزوہ

احد میں شہید ہوئے تھے ان کو مدینہ طیبہ لا کر جنت البقیع میں دفن کیا جا سکتا تھا، لیکن حضور اکرم ﷺ نے سارے شہداء کرام رحمۃ اللہ علیہم رحمۃ واسعۃ کو جبل احد کے دامن میں دفن فرمایا۔ نیز غزوات میں بہت سے صحابہ شہید ہوئے اور وہ سب وہیں دفن کئے گئے۔ نیز ازواج مطہرات میں سے حضرت میمونہؓ کا انتقال سرف میں ہوا جو مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلہ پر تھا۔ آج طریق مدینہ جو شارع ہجرت کے نام سے موسوم ہے وہ مقام سرف سے گزرتا ہے۔ حالانکہ رسول اکرم ﷺ ہمراہ تھے لیکن آپ نے جنازہ مکہ مکرمہ منتقل نہیں فرمایا جنت المعلی کے تقدس کے باوجود مقام سرف (مقام انتقال) میں حضرت میمونہؓ کو دفن کیا گیا۔ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ تَزَوَّجَهَا حَلَالًا وَ ظَهَرَ اَمْرُ تَزْوِيْجِهَا وَ هُوَ مُحْرِمٌ ثُمَّ بَنٰى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ بِسَرِفٍ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ وَ مَاتَتْ مَيْمُوْنَةُ بِسَرِفٍ حَيْثُ بَنٰى بِهَا رَسُوْلُ ﷺ وَ دُفِنَتْ بِسَرِفٍ" (ترمذی شریف ۱/۱۰۴)۔

جنت البقیع میں تدفین سے متعلق روایات کثیرہ صحیحہ میں فضائل کے باوجود حضرات صحابہ کرام کا بھی معمول یہی رہا کہ جہاں انتقال ہوا وہیں دفن کئے گئے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ کے علاوہ عراق، شام، دمشق، خراسان، افریقہ تک صحابہ کرام کی قبریں ہیں جن کی نشاندہی حضرات محدثین نے کی ہے۔ صرف دو صحابیؓ کے جنازہ کے انتقال کی تصریح ملتی ہے جس کا جواب سوال نمبر ۴ کے ضمن میں آ چکا ہے۔

مدرسہ میں انتقال کرنے والے کی تجہیز و تکفین مدرسہ کے ذمہ نہیں:

٦- اس کی تجہیز و تکفین کا نظم کر کے مسنون طریقہ پر غسل دے کر جنازہ کی نماز پڑھ کر سپرد خاک کر دیں۔ تجہیز و تکفین کا نظم منتظمین مدرسہ اس طور پر کریں کہ اگر طالب علم کے پاس کچھ کپڑے ہوں تو بطور کفن کے اسی کو استعمال کریں اور اگر کپڑے نہ ہوں بلکہ نقد پیسے ہوں تو اس سے کفن خرید کر دے دیں اور اگر نقد پیسے بھی نہ ہوں تو قرض لے کر اس کا نظم کر دیں اور وہ قرض اس مال سے وصول کر لیں جو اس کے وطن میں ہے۔ چونکہ تجہیز و تکفین کو شریعت نے میت کے مال میں لازم کیا ہے اور اگر میت بالکل مفلس ہو، نہ نقد اس کے پاس موجود ہو نہ کپڑا ہو نہ ہی وطن میں اس کا مال ہو، پھر منتظمین مدرسہ آپس میں اساتذہ اور ملازمین سے یا بہی خواہان مدرسہ سے اس سلسلہ میں تعاون حاصل کریں۔ "مات ولم يترك مالا يسئل من الناس قدر ثوب واحد ويكفن فيه، فان ترك ثوباً واحدا كفن فيه رجلا كان أو إمرأة ولايسئل من الناس و إن مات عن مال قليل بلا وصية قال إبراهيم بن يوسف: يكفن فى ثوب واحد، وقال ابن سلمة فى ثلاثة قال الفقيه إن كفن فى واحد جاز" (الفتاوی البزازیہ علی ہامش الہندیہ ٦/٤٤٠)۔

جنازہ وطن لے جانے کا خرچ مدرسہ کے ذمہ نہیں:

۷- اگر ورثاء کے حکم پر جنازہ منتقل کیا گیا گو کہ یہ مکروہ تحریمی ہے لیکن نقل وحمل کے اخراجات ورثہ کے ذمہ ہوں گے اور اگر ورثاء کے حکم کے بغیر جنازہ منتقل کیا گیا تو نقل وحمل کا صرفہ ناقلین کے ذمہ ہوگا مدرسہ کے ذمہ نہیں ہوگا۔ "ولو حمل الوصی بلا إذن الورثة یضمن ماأنفق" الخ (بزازیہ علی الہندیہ ۳۹/۶)۔

۸- نقل وحمل جنازہ کا صرفہ مدرسہ کے ذمہ نہیں، اس لئے کس مد میں اندراج ہو اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

جنازہ منتقل کرنے کے منکرات:

۹- جنازہ کو منتقل کرنے میں چند منکرات ہیں جو شرعاً منہی عنہا ہیں:

۱- تدفین میں تاخیر جب کہ حتی الامکان تعجیل کا حکم منصوص فی الحدیث ہے چنانچہ "الجنازة إذا حضرت" سے حضرات فقہاء نے جس عجلت کو سمجھا ہے اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ اگر جنازہ تیار ہو تو اوقات مکروہہ میں بھی نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت ہے۔ کما ہو مصرح فی الشامی والفتاوی الہندیہ۔

۲- خطرہ فساد میت لوگوں کے انتظار میں میت کو اتنی دیر تک رکھنا کہ نعش کے خراب ہوجانے کا احتمال ہوجاتا ہے تو برف کی سلیوں سے اسے پھولنے

پھٹنے سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

۳- انتقال مکانی پر اچھی خاصی رقم خرچ کی جاتی ہے جو ضیاع مال ہے اور اس کے لئے سو دقتیں برداشت کی جاتی ہیں جو بیجا ہیں۔

۴- انتقال مکانی میں جنازہ عموما دوبارہ پڑھا جاتا ہے یہ بھی غیر شرعی عمل ہے، جنازہ صرف ایک بار ہے البتہ اگر ولی باقی ہو تو صرف اس کو اجازت ہے۔

۵- اس کا التزام اور اس پر اصرار مستقل ایک غیر شرعی عمل ہے۔

۶- اہل مدارس کے لئے امور مذکورہ بالا کے علاوہ دیگر مسائل بھی ہیں جن سے اہل مدارس واقف ہیں۔

اس لئے اہل مدارس سے درخواست ہے کہ وہ داخلہ فارم پر مطبوعہ ہدایات میں ایک نمبر کا اور اضافہ کردیں یا ایک کارڈ بنوالیں جس پر یہ لکھا ہو کہ اگر میرا انتقال ہوگیا تو مجھے میرے وطن منتقل نہ کیا جائے اور اس پر طالب علم یا اس کے والد یا سرپرست کے دستخط کرالئے جائیں۔

ھذا ما فھمت من كلام الفقهاء و لعل عند غيري أحسن منه والله تعالىٰ أعلم بالصواب و علمه أتم و أحكم۔

العبد حبیب اللہ قاسمی

خادم دارالافتاء ریاض العلوم گورینی، جونپور

۱۴۱۳/۱/۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوالات:

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں شاہد کا انتقال وطن سے بہت دور پردیس میں ہوگیا، پردیس میں شاہد کے اولیاء میں سے کوئی نہیں تھا، لوگوں نے غسل دیا اور کفن پہنا دیا اور ایک ہزار کے قریب لوگوں نے مل کر نماز جنازہ ادا کیا، اس کے بعد شاہد کا جنازہ اس کے وطن پہنچا دیا گیا جہاں اسکے اولیاء اور دیگر اقارب نیز باپ حامد موجود تھے۔ اب چند سوالات حل طلب ہیں:

دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے؟

۱- پردیس میں جب کہ اس کی نماز جنازہ ہو چکی ہے، وطن میں دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

اگر دوبارہ کی گنجائش ہے تو صرف باپ کے لئے یا سب کے لئے؟

۲- اگر دوبارہ پڑھی جاسکتی ہے تو صرف باپ (حامد) پڑھے یا اس کے دیگر سارے اولیاء وغیرہ بھی پڑھ سکتے ہیں؟

غیر اولیاء کا دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

۳- اگر غیر اولیاء بھی باپ کے علاوہ نماز پڑھ سکتے ہیں تو کیا یہ نفل میں تداعی کو مستلزم نہیں ہے، اور اگر یہ نفل نہیں تو عبارات ذیل کا کیا مطلب ہے:

"أعاد الولی إن شاء لأجل حقه، لا لإسقاط الفرض ولذا قلنا لیس لمن صلی علیها أن یعید مع الولی لأن تکرارها غیر مشروع" (درمختار ۲/۲۲۳)۔

و لأن الفرض تؤدی بالأولی والتنفل بها غیر مشروع (مجمع الأنہر ۱/۱۸۳)

و هکذا فی سکب الأنهر، لأن الاعادة لحقه لا لسقوط الفرض اور اگر شامی کی درج ذیل عبارت سے فرض ثابت کیا جائے۔

فالأحسن الجواب عما قاله المقدسی، بأن اعادة الولی لیست نفلا، لان صلوة غیره، و أن تأدی بها الفرض وهو حق المیت لکنها ناقصة لبقاء حق الولی فیها (ردالمحتار ۱/۲۲۳)۔تو یہ اجازت صرف ولی کے لئے ہے یا غیر ولی کے لئے بھی؟ کیا نماز جنازہ کے لئے جماعت کرنے کی اجازت کہاں سے اور کس دلیل سے حاصل ہے؟ کیا نماز جنازہ کے لئے جماعت شرط ہے؟

والصلوة علی الجنازة تتأدی بأداء الإمام وحده، لأن الجماعة

لیست بشرط الصلوة علی الجنازة کذا فی النهایة (ہندیہ:۱/۱۶۲)۔

عبارت مذکورہ کا کیا مطلب ہے۔

اگرولی نماز جنازہ ادا کر چکا ہو تو دیگر اولیاء کے لئے کیا حکم ہے؟

۴- اور اگر ولی بھی نماز جنازہ پڑھ چکا ہو تو اس کے دیگر اولیاء کو دوبارہ نماز جنازہ کی اجازت ہے یا نہیں؟

امید کہ تشفی بخش مدلل جواب سے نوازیں گے۔

المستفتی عبداللہ قاسمی

ریاض العلوم، گورینی

۲۰/۱/۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جوابات:

اولیاء کی اجازت سے نماز جنازہ کے بعد اولیاء کے لئے نماز جنازہ درست نہیں:

۱- صورت مسئولہ میں جب کہ شاہد کا انتقال پردیس میں ہوا ہے، جہاں اس کے اولیاء موجود نہیں ہیں اور پردیس والوں نے نماز جنازہ ادا کرلی، اس کے بعد شاہد کی نعش وطن منتقل ہوئی، اب اگر پردیس والوں نے میت یعنی شاہد کے اولیاء سے اجازت لے کر نماز جنازہ ادا کی ہو تو شاہد کے اولیاء کے لئے دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا شرعاً جائز نہیں، البتہ اگر بلا اجازت دوسرے لوگوں نے نماز پڑھی ہے تب ولی کے لئے ادائے صلوۃ جائز ہے۔ **ولا یصلی علی میت إلا مرة واحدة لاجماعة ولا وحدانا عندنا، إلا أن یکون الذین صلوا علیها الا جانب بغیر أمر الأولیاء ثم حضر الولی فحینئذ له أن یعیدها"** (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع:۱/۳۱۱)۔ **ولا یصلی**

علی میت إلا مرة واحدة .... قال محمد فی الأصل: إلا أن یکون الذی صلی اول مرة غیر الولی فحینئذ یکون للولی حق الإعادة (الفتاوی التاتارخانیۃ:۲/۱۷۸)۔

فإن صلی غیره، أی الولی ممن لیس له حق التقدم علی الولی ولم یتابعه الولی أعاد الولی ولو علی قبره إن شاء لأجل حقه لا لإسقاط الفرض" (درمختار مع الشامی:۱/۵۹۱-۵۹۲)۔

ولی کے ساتھ دوسرے لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوسکتے ہیں:

۲- صورت مسئولہ میں شاہد کے باپ حامد کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے، اب حامد کی متابعت میں دیگر حضرات یعنی اولیاء واجانب بھی نماز میں شریک ہوسکتے ہیں، لیکن حامد کے اعادہ کے بعد کسی اور کو نماز جنازہ پڑھنے کا حق حاصل نہیں، فقہاء کی عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے: "ثم الولی بترتیب عصوبة النکاح إلا الأب فیقدم علی الإبن اتفاقا" (درمختار مع ردالمحتار:۱/۵۹۰)۔

عمدۃ الفقہ میں ہے اور جب ولی اس میت پر نماز کا اعادہ کرے تو جو لوگ پہلی نماز میں شریک نہیں تھے وہ ولی کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں اور جو لوگ پہلی نماز میں شریک تھے وہ دوبارہ ولی کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتے کیونکہ ان کی وہ نماز نفل ہوگی

جومشروع نہیں۔(عمدۃ الفقہ ۵۲۸/۲،و کذا فی إمداد الأحکام: ۴۷۵-۴۷۴/۱)۔

بغیر ولی کے نماز جنازہ ناقص ہوتی ہے:

۳- ولی کا اعادہ نفل نہیں ہے بلکہ فرض ہے اور پہلی مرتبہ جو ادا کی گئی ہے وہ بھی فرض ہے، بس فرق یہ ہے کہ پہلی نماز ولی کی عدم موجودگی کی وجہ سے ناقص ہوئی تھی، اب ولی کے اعادہ سے کامل ہوجائے گی، جیسا کہ یہی حکم ہر اس نماز کا ہے جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو کہ وہ ناقص ہوتی ہے جس کا اعادہ واجب ہے۔

فالأحسن الجواب عما قاله المقدسی بأن اعادة الصلوة ليست نفلا، لأن صلوة غيره و إن تادى بها الفرض وهو حق الميت لكنهاناقصة، لبقاء حق الولی فيها فإذا أعادها اديت فرضا مكملا للفرض الأول،نظيره اعادةالصلوة المؤداة بكراهة فإن كلا منهما فرض كما حققنا فی محله وحيث كانت الأولی فرضا فليس لمن صلی أولا أن يعيد مع الولی لأن إعادته تكون نفلا من كل وجه بخلاف الولی لأنه صاحب الحق (شامی ۵۹۲/۱)۔

بخلاف ما إذا تقدم غير الولی فصلی إن للولی أن يصلی عليه

(بدائع الصنائع: ۱/۳۱۱)۔

أعاد الولي ولو على قبره إن شاء لأجل حقه لا لإسقاط الفرض الخ۔

عبارات مذکورہ فی السوال کا مطلب یہ ہے کہ نماز جنازہ پڑھانا ولی کا حق ہے۔اب جب کہ غیر ولی نے بغیر ولی کی اجازت کے نماز پڑھادی تو ولی کو اپنے حق کی ادائیگی کے لئے نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے، اس وجہ سے نہیں کہ پہلی مرتبہ جو نماز جنازہ ادا کی گئی وہ فرض واقع نہیں ہوئی ہے اور فریضہ ساقط نہیں ہوا ہے۔حاصل یہ ہے کہ غیر اولیاء کے نماز جنازہ ادا کر لینے سے بھی فریضہ ساقط ہوجاتا ہے، لیکن ولی کے لئے صاحب حق ہونے کی وجہ سے اعادہ جائز ہے اور یہ اعادہ شدہ نماز فرض ہے، نفل نہیں۔ اسی وجہ سے جو حضرات پہلی بار ادا کردہ نماز جنازہ میں شریک ہوگئے ہوں ان کو دوبارہ ولی کے ساتھ شریک ہونا شرعا مکروہ ہے۔اس کی دو وجہیں ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ نماز جنازہ ایک مرتبہ سے زائد پڑھنا شرعاً ممنوع ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کسی شخص نے پہلی مرتبہ نماز جنازہ ادا کرلی اب اگر وہ شخص دوبارہ نماز جنازہ پڑھے گا تو دوسری مرتبہ والی نماز نفل ہوگی اور نماز جنازہ بطور نفل کے پڑھنا شرعاً ثابت نہیں ہے۔

وتركهم ذلك إجماعا منهم دليل على عدم جواز التكرار و لأن الفرض قد سقط بالفعل مرة فلو صلى ثانيا كان نفلا والتنفل بصلوة الجنازة غير مشروع بدليل أن من صلى مرة لا يصلي ثانيا

(بدائع الصنائع ۱/۳۱۱)۔

وَ لَنَا مَا رُوِیَ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَةٍ فَلَمَّا فَرَغَ جَاءَ عُمَرُ وَ مَعَهُ قَوْمٌ فَأَرَادَ أَنْ یُصَلِّیَ ثَانِیًا فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ اَلصَّلٰوةُ عَلَی الْجَنَازَةِ لَا تُعَادُ (بدائع ۱/۳۱۱)۔

ولی کو اعادہ کا حق قیاس شرعی سے ثابت ہے، جو ادلہ شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے کیونکہ میت کا حق اس کے ولی پر ہے اور ولی کا حق میت پر ہے۔ منجملہ حقوق کے نماز جنازہ پڑھنا بھی ایک بڑا حق ہے، لہٰذا ولی کے لئے اعادہ جائز ہوگا (بدائع ۱/۳۱۱)۔

ولی کے بعد کسی کو نماز جنازہ دوبارہ پڑھنے کی اجازت نہیں:

۴- جب کہ ولیٔ اقرب نے جس کو حق تقدم حاصل ہے، نماز جنازہ پڑھ لی تو اس کے بعد دیگر اولیاء یا اجانب کو نماز جنازہ پڑھنے کی شرعاً اجازت نہیں کیونکہ اولا فرض ادا ہوگیا۔ اب اگر دوبارہ نماز ہوگی تو یہ نفل ہوگی اور نماز جنازہ بطور نفل کے پڑھنا شرعاً ثابت نہیں۔

و إن صلی هو أی الولی بحق لایصلی غیره بعده (درمختار علی ہامش الشامی: ۱/۵۹۲)۔

نماز جنازہ میں جماعت شرط نہیں، لہٰذا اگر ایک آدمی بھی پڑھ لے تو نماز ادا ہوجائے گی۔ و دلت المسئلة علی أن الجماعة لیست بشرط الصلوة

علی الجنازة (بدائع الصنائع ۱/۳۱۵)۔

والصلوة علی الجنازة تتأدی بأداء الإمام وحده، لأن الجماعة لیست بشرط الصلوة علی الجنازة کذا فی النهایة (ہندیہ:۱/۱۶۲)۔

مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نماز جنازہ میں جماعت شرط نہیں، مثلاً نماز جنازہ ہورہی تھی اور امام باوضو تھا اور مقتدی حضرات بے وضو تھے یا امام تیمّم کئے ہوئے تھا اور مقتدی حضرات بلا تیمّم کے نماز میں شریک تھے، ایسی صورت میں امام کی نماز درست ہوگی اور مقتدیوں کی نماز صحیح نہیں ہوگی، لیکن جنازہ جو فرض کفایہ ہے وہ ذمہ سے ساقط ہوجائے گا۔ ولو کان الإمام علی الطهارة والقوم علی غیر طهـــارة جاز صلوة الإمام ولم یکن علیهم إعادتها، لأن حق المیت تأدی لصلوة الإمام (بدائع ۱/۳۱۵)۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ ہندوستان جیسا ملک جہاں ہندو مسلم مخلوط آبادی ہے اور ہر مذہب کے ماننے والوں کے ایک دوسرے سے مراسم ہیں، ہر ایک کی خوشی غمی میں شرکت کا ایک عام مزاج ہے، اس صورت میں چند سوالات حل طلب ہیں:

۱- مسلمان کے جنازہ میں کوئی ہندو شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۲- مسلمان کے جنازہ کے ساتھ ہندو چل سکتا ہے یا نہیں؟

۳- مسلمان کے جنازہ کو ہندو کندھا دے سکتا ہے یا نہیں؟

۴-مسلمان کو قبر میں رکھنے کے بعد ہندو اس کو مٹی دے سکتا ہے یا نہیں؟

اسی طرح ہندو کے مرنے کے بعد مسلمان کے لئے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱-ہندو کی مٹی میں مسلمان شرکت کرے یا نہ کرے؟

۲-ہندو کی مٹی کے ساتھ مسلمان کو چلنا چاہئے یا نہیں؟

۳-ہندو کو جلانے کے وقت مسلمان کو وہاں کھڑا رہنا چاہئے یا نہیں؟

۴-ہندو کے مرنے کی اطلاع پا کر مسلمان کو کیا کہنا چاہئے؟

ہندو کا مسلمان کے جنازہ میں شرکت درست نہیں:

۱- ہندو کا کسی مسلمان کے جنازہ میں شریک ہونا شرعاً جائز نہیں۔ (احسن الفتاوی ۴/۲۴۳، فتاوی محمودیہ ۱۴/۲۹۲)۔

مسلمان کے جنازہ کے ساتھ ہندوؤں کا چلنا درست نہیں:

۲- مسلمان کے جنازہ کے ہمراہ ہندوؤں کا چلنا درست نہیں۔ (احسن الفتاوی ۴/۲۴۳، فتاوی محمودیہ ۱۴/۲۹۲)۔

کافر کا مسلمان کے جنازہ کو کندھا دینا ممنوع ہے:

۳- کافر کا کسی مسلمان کے جنازہ کو کندھا دینا شرعاً ممنوع ہے۔ فتاوی دار

العلوم میں ہے:

’’اگر کوئی کافر مس کرے یا استغفار کرے یا اپنے طور پر نماز جنازہ پڑھے اس سے نہ کسی کو ضرر نہ کچھ نفع، اگر قدرت ہو تو منع کریں ورنہ خاموش رہیں‘‘ (فتاوی دار العلوم مکمل و مدلل: ۲۵۳/۱۵)۔

کافر کا مٹی دینا درست نہیں:

۴- مسلمان کو قبر میں رکھنے کے بعد کافر کے لئے مٹی دینا شرعاً ثابت نہیں، اس لئے منع کیا جائے گا۔ (احسن الفتاوی: ۲۴۳/۴، فتاوی محمودیہ: ۲۹۲/۱۴)۔

ہندو کے جلانے میں مسلمان کی شرکت درست نہیں:

۱- ہندو کی مٹی یا جلانے میں مسلمان کا شریک ہونا جائز نہیں، البتہ ہندو کے مرنے کے بعد تعزیت کے لئے جایا جاسکتا ہے۔ (احسن الفتاوی: ۲۴۳/۴، فتاوی محمودیہ: ۲۹۲/۱۴)۔

غیر مسلم کے جنازہ میں مسلم کی شرکت ممنوع ہے:

۲- غیر مسلم میت کے ساتھ مسلمانوں کا چلنا شرعاً جائز نہیں۔ (احسن الفتاوی ۲۴۳/۴، فتاوی محمودیہ: ۲۹۲/۱۴)۔

۳- ہندو کو جلاتے وقت وہاں مسلمانوں کا کھڑا رہنا درست نہیں، اس لئے کہ یہ

تشبہ بالکفار ہے جوازروئے حدیث:"من تشبہ بقوم فھو منھم" ممنوع ہے۔

۴- فقہ وحدیث کی مختلف کتابوں کے مطالعہ وتحقیق سے کسی کافر کی موت پر مسلمانوں کے لئے کسی دعاوغیرہ کا ثبوت نہیں ملتا ہے اور باقی یہ جو مشہور ہے کہ کافر کی میت کو دیکھ کر یا موت کی اطلاع پا کر مسلمان کو فی نار جہنم خالدین فیہا پڑھنا چاہئے، اس کا ثبوت نہیں ملتا گو کہ زبان زد خاص وعام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔